دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

• جلد 09 / • شمارہ 09 / • مارچ / 2020

ماہنامہ

فہمِ دین

قابل رشک وصیت

آہ و آواز

دل کی صفائی

BAITUSSALAM
PUBLICATIONS
WWW.BAITUSSALAM.ORG/BS/PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

مارچ 2020

فہم و فکر

قابلِ رشک وصیت	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

تربیت ایسے کریں	محمد سعد صالح	10
انگریزی اور رنگریزی	زبیر فرید	12
عبرت ناک سفر	عظمی شمیم	14
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	16
باورچی خانہ اور ہماری صحت	حکیم شمیم احمد	18

خواتینِ اسلام

مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا ﷺ	جنید حسن	21
تلاش	ثانیہ ساجد	22
وہ آواز	ندا اختر	23
حور بانو	اہلیہ محمد فیصل	25
ہجرت	بنتِ گوہر	27

باغیچہ اطفال

چڑیا کی چوں چوں	ڈاکٹر الماس روحی	28
اُف میری قینچی کا کیا ہوگا؟	ڈاکٹر صفیہ سلطانہ	30
ہرن	فوزیہ خلیل	32
سونے کی چٹان	احمد رضا انصاری	34
ٹوپی فروش اور بندر	بنتِ فاروق	36
ننھے ادیب		38
بچوں کے فن پارے		39
انعامات ہی انعامات		41

بزمِ ادب

میرے وطن کے اداس لوگو!!	اہلیہ فصیح اللہ	42
تمہیں کیا	قابل اجمیری	43
گلدستہ		44

اخبار السلام

روبوٹکس مقابلے بیت السلام کے طلبہ کی پہلی پوزیشن	ادارہ	46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
ناظم	خالد عبد الرشید
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	نوید عزیز

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے
C-26 گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ :	40 روپے
سالانہ فیس :	520 روپے
بیرونِ ملک بدل اشتراک :	35 ڈالر

ناشر	مطبع	مقامِ اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہمِ دین

قابلِ رشک وصیت

مدیر کے قلم سے

میرے بیٹے کو بیت السلام میں ہی پڑھنے دینا

زندگی واقعی تھوڑی سی ہے اور ہے بھی پانی کا بلبلہ۔ اب پھٹا کہ تب۔ اِک چراغ ہے، جو آندھیوں کے رحم وکرم پر ہے۔ اب بجھا کہ تب۔ دِل تو خدا کی دو انگلیوں کے بیچ ہے، جب دھڑکنے کا حکم ہی نہ ہو تو پھر چھ فٹ کے اچھے بھلے انسان نے لاشہ تو بننا ہی ہے۔ پھر کیا گھمنڈ عقل کا!!! پھر منوں من مٹی کے نیچے وہی ڈھاک کے تین پات کہ مَنْ رَّبُّكَ، مَنْ نَّبِيُّكَ اور مَا دِيْنُكَ۔ وہی چودہ سو سالہ پرانا نظام، جو دُنیا کو فرسودہ اور دقیانوسی لگے ہے۔

یہ راکٹ سائنس ساری زمین کے اوپر ہے۔ یہ عقل کو خدا بننے کا شوق زمین سے اوپر اوپر ہی ہے۔ یہ فنا کی جھاڑو زمین کے اوپر ہی پھرتی ہے، پھر زمین کے نیچے تو بقا اور دوام ہے۔ جسے انسان بستی سمجھے، وہاں کب کوئی ہمیشہ بسے ہے؟ بستی تو بسے ہے تہِ خاک، جہاں سے واپسی پھر کبھی نہ ہو۔ زمین کے اوپر عقل خدا بنے ہے، دِل للچائے مرے ہے، آنکھیں بھٹکے جائے ہیں، زبان قابو نہ آئے ہے، پاؤں آوارہ آوارہ اور ہاتھوں کو بھی اپنی مرضی اچھی لگے ہے اور انسانوں کو بھی اپنا آپ خدا خدا سا لگے ہے، اترانے کو ہے کیا اس کے پاس؟؟؟ ہوا اُڑے پھرے ہے، مگر سانس تو رب کی دین ہے، سر تو ہر دھڑ پر ہے، مگر عقل خدا کی عطا ہے، زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے صرف بھول بھلیاں ہیں، خواہشات ہیں، اصل زندگی تو آسمان کے اوپر ہے اور پرواز اس کی زمین کے نیچے ہے۔

ایک نوجوان خاتون کی کہانی سنی، رواں ماہ ہی انتقال ہوا، بیٹا بیت السلام پڑھنے کے لیے بھیجا، وہ پڑھتے پڑھتے تیسرے سال میں جا پہنچا، بھینسوں اور دودھ کا بڑا کاروبار، ابا اسے ہی سب کچھ سمجھے ہے، ماں بیمار ہوئی، ہسپتال میں چند لمحے ہوش کے میسر آئے، بہن کو پاس بلایا، بہت سی وصیتیں لکھوائیں، سب سے معافی بھی لکھوائی، ننھیال ددھیال سب سے ملتے رہنے کا بھی کہا اور پھر یہ بھی لکھوایا کہ میرے بیٹے کو بیت السلام میں ہی پڑھتے رہنے دینا۔ وصیت تو ختم ہو گئی، مگر آخرت کا اکاؤنٹ کھل گیا، باپ افسردہ بھی ہے، بیوی کے گن بھی گائے ہے، بیوی کی وصیت بھی پاؤں کی زنجیر بنے ہے، مگر بیٹے کا مستقبل بھی زندگی بھر کے کاروبار میں دِکھے ہے، آخر کو بیٹا دوبارہ بیت السلام کراچی پہنچ گیا۔ ماں اپنی خوش نصیبی اپنے ہاتھوں سے لکھوا گئی، نامہ اعمال بند نہیں ہونے دیا، جب بہت سے تہِ خاک منہ تکیں گے، یہ بخت بی بی بیٹے کے نیک اعمال چنے گی۔ شوہر کی بھی خیر خواہی نکلی، قبر میں چلی گئی، مگر بیٹا مدرسے بھیج دیا، ابا کی دُنیا بھی بابرکت ہو گی اور آخرت بھی سنورے گی۔ رشتے دار مانیں یا نہ مانیں، تھی یہ نیک بی بی ان سب کی خیر خواہ ہی۔ بیٹا عالم بنے گا تو کانوں میں دین کی بات پڑے گی، گھروں میں خوشیاں اور رزق میں برکتیں ہوں گی، کل قیامت میں بہت سوں کے لیے جہنم سے خلاصی کا پروانہ بنے گا۔

قارئین! یہ عقل نہ بازاروں میں بکے ہے اور نہ ڈگریوں میں تُلے ہے، یہ تو منبر و محراب میں ملے ہے، یہ تو ان سے ملے ہے، جنہیں دیکھ کر خدا یاد آئے۔ خوشا نصیب ہو جائے ہمیں بھی ایسی عقل کا کچھ حصہ، کاش! ہم بھی چاہے رہیں دُنیا میں، مگر دِل تو آخرت میں اٹک جائے، ہتھ کار وَل ہو، لیکن دِل یار وَل ہو، خوشا اولاد کی دُنیا کی بھی فکر ہو اور آخرت کی بھی، قارئین! پھر ابھی کا نقد سودا ہے، جو ہم سب کو ہی کرنا ہے۔ رمضان آنے کو ہے، نبی ﷺ رجب سے ہی دعا کرتے رمضان المبارک کی برکتیں لینے کی، خوشا ہم بھی اسی دعا کو صبح وشام کرنے لگیں: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا اِلٰی رَمَضَانَ۔ ماہ نامہ فہم دین بھی "رمضان المبارک۔۔۔ خصوصی اشاعت" کی تیاری میں لگا ہے، مئی کا شمارہ اس بار ہمارے رمضان المبارک کا ہم سفر ہوگا، پڑھنے والے ابھی سے اپنی کاپی بک کروالیں، اپنے لیے بھی اور اپنے پیاروں کے لیے بھی اور لکھنے والے دس مارچ کو حتمی سمجھیں، جو تحریر اچھوتی ہوگی، قارئین کے لیے مفید ہوگی اور انھیں رمضان، قرآن اور دعا سے جوڑنے والی ہوگی، وہی "خصوصی اشاعت" کی زینت ہوگی تو پہلی فرصت میں دِل کے تاروں کو ہلانے والی اور خدا سے ملانے والی کوئی مختصر مضمون یا کہانی لکھیں اور ماہ نامہ فہم دین کے پتے پر پوسٹ، آئی ڈی پر میل یا واٹس ایپ کر دیں۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

النساء 4-9

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا (4)

ترجمہ... اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں! اگر وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں تو اسے خوش گواری اور مزے سے کھالو۔ (4)

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (5)

ترجمہ... اور نا سمجھ (یتیموں کو) اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے، ہاں! اُن کو اس سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے مناسب انداز میں بات کرلو۔ (5)

تشریح نمبر 1: یتیموں کے سرپرستوں کی ذمے داریاں بیان کی جارہی ہیں کہ ایک طرف تو انھیں یتیموں کے مال کو امانت سمجھ کر انتہائی احتیاط سے کام لینا ہے، دوسری طرف یہ بھی خیال رکھنا ہے کہ یتیموں کا پیسا ایسے وقت ان کے حوالے کیا جائے، جب ان میں روپے پیسے کی ٹھیک ٹھیک دیکھ بھال کی سمجھ اور اسے صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا سلیقہ آچکا ہو۔ جب تک وہ نا سمجھ ہیں ان کا مال ان کی تحویل میں نہیں دینا چاہیے۔ اگلی آیت میں اسی اصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً ان یتیم بچوں کو آزماتے رہنا چاہیے کہ آیا وہ اتنے سمجھ دار ہوگئے ہیں کہ انھیں اپنے مال کے صحیح استعمال کا سلیقہ آگیا ہے۔ یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ صرف بالغ ہوجانا بھی کافی نہیں، بلوغ کے بعد بھی اگر وہ سمجھ دار نہ ہو پائے ہوں تو مال ان کے حوالے نہ کیا جائے، بلکہ جب یہ محسوس ہوجائے کہ ان میں سمجھ آگئی ہے، تب ان کے حوالے کیا جائے۔

وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا (6)

ترجمہ... اور یتیموں کو جانچتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے لائق عمر کو پہنچ جائیں تو اگر تم یہ محسوس کرو کہ ان میں سمجھ داری آچکی ہے تو ان کے مال انہی کے حوالے کردو اور یہ مال فضول خرچی کرکے اور یہ سوچ کر جلدی جلدی نہ کھا بیٹھو کہ وہ کہیں بڑے نہ ہوجائیں اور (یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو خود مال دار ہو وہ تو اپنے آپ کو (یتیم کا مال کھانے سے) بالکل پاک رکھے، ہاں! اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریق کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے، پھر جب تم ان کے مال انھیں دو تو ان پر گواہ بنالو اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔ (6)

تشریح نمبر 2: یتیموں کے سرپرست کو اپنی ذمے داریاں نبھانے کے لیے بہت سی خدمات انجام دینی پڑتی ہیں۔ عام حالات میں جب سرپرست خود کھاتا پیتا شخص ہو، اس کے لیے ان خدمات کا کوئی معاوضہ لینا درست نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک باپ اپنی اولاد کی دیکھ بھال کرتا ہے، لیکن اگر وہ خود تنگ دست ہے اور یتیم کی ملکیت میں اچھا خاصا مال ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا ضروری خرچ بھی یتیم کے مال سے لے لے، مگر پوری احتیاط سے اتنا ہی لے جتنا عرف اور رواج کے مطابق ضروری ہے، اس سے زیادہ لینا جائز نہیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا (7)

ترجمہ... مردوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے، جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، چاہے وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔ (7)

تشریح نمبر 3: جاہلیت کے زمانے میں عورتوں کو میراث میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا آں حضرت ﷺ کے سامنے بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور وہ بیوی اور نابالغ بچے چھوڑ کر گیا اور اس کے سارے ترکے پر اس کے بھائیوں نے قبضہ کرلیا۔ بیوی کو تو عورت ہونے کی وجہ سے محروم رکھا گیا اور بچوں کو نابالغ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ دیا گیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں واضح کردیا گیا کہ عورتوں کو میراث سے محروم نہیں رکھا جاسکتا، اللہ تعالیٰ نے آگے آیت نمبر 11 سے شروع ہونے والے رکوع میں تمام رشتے دار مردوں اور عورتوں کے حصے بھی مقرر فرمادیے۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (8)

ترجمہ: اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر میراث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آجائیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو اور ان سے مناسب انداز میں بات کرو۔ (8)

تشریح نمبر 4: جب میراث تقسیم ہورہی ہو تو بعض ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جو شرعی اعتبار سے وارث نہیں ہیں قرآن کریم نے یہ ہدایت دی ہے کہ ان کو بھی کچھ دے دینا بہتر ہے، مگر ایک تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس ہدایت پر عمل کرنا مستحب یعنی پسندیدہ ہے، واجب نہیں ہے۔ دوسرے اس پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بالغ ورثا ایسے لوگوں کو اپنے حصے میں سے دیں۔ نابالغ ورثا کے حصے میں سے کسی اور کو دینا جائز نہیں۔

فہمِ حدیث

ذکر سے اللہ کی معیت ملتی ہے

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ

ترجمہ۔۔۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس وقت بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں، اس وقت میں اپنے اس بندے کے ساتھ ہوتا ہوں۔“ (صحیح بخاری)

تشریح۔۔ اللہ تعالیٰ کی ایک معیت وہ ہے، جو اس کائنات کی ہر اچھی بری چیز کو اور ہر مومن و کافر کو ہر وقت حاصل ہے۔ کوئی چیز بھی کسی وقت اللہ تعالیٰ سے دور نہیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے، ہر جگہ اور ہمہ وقت حاضر و ناظر ہے اور ایک معیت رضا اور قبول والی معیت ہے۔ اس حدیث قدسی میں جس معیت کا ذکر ہے، وہ یہی رضا والی معیت ہے اور حدیث کا مدّعا یہ ہے کہ جب میرا بندہ میرا قرب اور میری رضا حاصل کرنے کے لیے میرا ذکر کرتا ہے تو اس کو میرے قرب و رضا کی دولت فوراً مل جاتی ہے، جو وہ ذکر کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دولت کی طلب، اس کا ذوق و شوق اور پھر وہ دولت نصیب فرمائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے یقین کے مطابق ہے اور میں اس کے بالکل ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ مجھے اپنے جی میں اس طرح یاد کرے کہ کسی اور کو خبر بھی نہ ہو تو میں بھی اس کو اسی طرح یاد کروں گا اور اگر وہ دوسرے لوگوں کے سامنے مجھے یاد کرے تو میں ان سے بہتر بندوں کی جماعت میں اس کا ذکر کروں گا (یعنی ملائکہ کی جماعت میں۔)“ (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح۔ حدیث کے پہلے جملے (اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ) کا مطلب یہ ہے کہ بندہ میرے بارے میں جیسا یقین قائم کرے گا تو میرا معاملہ اس کے ساتھ بالکل اسی کے مطابق ہوگا۔ مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں رحم اور کرم کا یقین کرے تو اللہ تعالیٰ کو رحیم و کریم ہی پائے گا، اس لیے بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا یقین کرے اور اسی کے مطابق عمل کرے۔

حدیث کے آخری حصے میں جو فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ مجھے خلوت میں اس طرح یاد کرتا ہے کہ اس کے اور میرے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں ہوتی تو میری عنایت بھی اس کے ساتھ اسی طرح مخفی ہوتی ہے۔ اور جب بندہ دوسروں کے سامنے میرا ذکر کرتا ہے (جس میں دعوت و ارشاد اور وعظ و نصیحت بھی داخل ہے) تو اس بندے کے ساتھ اپنے تعلق اور اس کی قبولیت کا ذکر، میں فرشتوں کے سامنے بھی کرتا ہوں، جس کے بعد وہ بندہ فرشتوں میں مقبول و محبوب ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس دنیا میں بھی اس کو قبولِ عام اور محبوبیتِ عامہ حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی لیے بہت سے عارفین کاملین، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے خاص تعلق کا اخفا کرتے ہیں، اگرچہ اللہ کے ہاں ان کو مقبولیت کا خاص الخاص مقام حاصل ہوتا ہے، لیکن دنیا میں ان کو پہچانا بھی نہیں جاتا اور جن کا تعلق مع اللہ اور دعوت الی اللہ ظاہر اور جلی قسم کی ہوتی ہے، اُن کو دنیا میں بھی مقبولیتِ عامہ حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا عبدالستار حَفِظَہُ اللہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہم اپنے گھر میں صفائی کو پسند کرتے ہیں، ذرا بھی کہیں کوڑا کرکٹ نظر آئے تو عورتوں کو ڈانٹ پڑتی ہے کہ صفائی کیوں نہیں کی؟ اپنے گھروں میں صفائی چاہنے والے ذرا غور کریں کہ دل بھی تو اللہ کا گھر ہے، اس میں بھی صفائی آنی چاہیے۔ اس پر جو گناہوں کا میل پڑا ہے، گندگی ہے، اس کو بھی تو دھونا چاہیے۔ افسوس ہے کہ ہم نے اسے ردی کی ٹوکری بنا رکھا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا گھر ہے۔ وہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کا گھر صاف ہو۔

ہر کسی کو اپنے گھر کی صفائی کی فکر ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے۔ لیکن اس سے بڑھ کر اللہ کے گھر کی صفائی کی فکر ہو۔ اس کو تو ہم نے ردی کی ٹوکری بنا رکھا ہے کہ جو کچرا آیا اس میں ڈال دیا۔ جب دل صاف ہو جائے گا تو اللہ رب العزت کی رحمتیں خود بخود اس کے اندر آئیں گی۔ گندے گھر میں ہم لوگ جانا پسند نہیں کرتے تو گندگی کی جگہ میں اللہ تعالیٰ آجائے یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ بھی تو صاف دل میں آنا پسند فرماتے ہیں۔ جس دل میں غیر اللہ کی تصویر بیٹھی ہو گی اللہ رب العزت اس دل میں کیسے آنا پسند فرمائیں گے!! بت بنے بیٹھے ہیں ہمارے دلوں میں جس کی خاطر ہم زندگی گزار رہے ہیں تو ایسے گھر میں جہاں اور بہت سارے بت ہوں وہاں اللہ کیسے آسکتا ہے؟ اللہ بڑا غیور ہے۔ وہ خالص دل میں آنا پسند کرتا ہے۔ جس دل میں شرکت ہو وہاں نہیں آتا۔ اس لیے اس دل پر محنت کرنے اور صاف کرنے کی ضرورت ہے۔

قلب کی درستی، اللہ کی یاد سے اور نیک لوگوں کی صحبت سے ہوتی ہے۔ آج کہاں سے لائیں ہم وقت، سارا دن ہمیں اور کاموں سے فرصت ہی نہیں۔ ہمیں ان چیزوں کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ وقت اس لیے نہیں ملتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تندرستی دے رکھی ہے۔ ابھی (خدانخواستہ) ذرا سا ہمارے کان میں درد ہو جائے تو سارا وقت نکل آئے گا۔ ساری مصروفیات ملتوی کر دی جائیں گی اور ڈاکٹر کی راہ تک رہے ہوں گے۔ وقت تو نکالنے سے نکلتا ہے۔

بعض لوگ انتظار میں رہتے ہیں کہ فرصت ہو گی تب اللہ کو یاد کریں گے۔ تم فرصت کا انتظار کر رہے ہو اور فرصت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ عمر بھر فرصت نہیں ملے گی، یہ تو نکالنے سے نکلے گی۔ گھر کی ضروریات کے لیے، مقدمات کے لیے اور دیگر اشیا کے لیے وقت نکالتے ہو اللہ کے نیک بندوں کے لیے، اللہ کی یاد کے لیے وقت کیوں نہیں نکالتے؟ جس مالک نے سب کچھ دیا ہے اس کا شکر ادا کرنے کے لیے تو ہمارے پاس وقت نہیں جب کہ نفس کے لیے ہمارے پاس سارا وقت ہے۔ 42 گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ بھی اللہ کے لیے ہمارے پاس نہیں ہے۔ نفس کے لیے، کھانے، پینے، رہائش اور سونے کے لیے تو ہمارے پاس وقت ہی وقت ہے۔ اللہ کی یاد اور اپنے نفس کی درستی کے لیے ایک گھنٹہ بھی ہم نہیں نکال سکتے؟

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دن میں دو تہائی، رات میں دو تہائی اللہ کے لیے وقت نکالا ہے۔ تم چوتھائی، آٹھواں کچھ تو وقت اللہ کے لیے نکالو۔ آٹھواں حصہ جو بہت کم ہے، اس میں بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں اگر یہ نکل آئیں تو۔ اب یہ سمجھ لو کہ ادنیٰ درجہ اللہ کے لیے وقت نکالنے کا آٹھواں حصہ ہے۔ جو تین گھنٹے ہے اس میں نفس کی ہمکاروبار کی اور دیگر مصروفیات کی کوئی شمولیت نہ ہو۔ اس میں اگر نمازیں بھی شامل کر لو اور وہ بہت خشوع و خضوع سے ادا کی گئی ہوں تو وہ دو گھنٹے بنتے ہیں۔ ان نمازوں کے اوقات کے علاوہ ایک گھنٹہ اللہ کے لیے نکالو، اس میں اپنے دل کا علاج کرنا ہے۔ ہمارا دل بیمار ہے۔ سب سے اچھا یہ ہے کہ کسی اللہ کے نیک بندے سے رابطہ قائم کرو، اپنی باگ اس کے ہاتھ میں دے دو۔ جب تک ڈاکٹر کے نسخے کے مطابق علاج نہ کرواؤ گے صحت کا ملنا بہت مشکل ہے۔'' آدمی اس سے گھبراتا ہے کہ کسی کے ہاتھ میں باگ پکڑائے، اپنے نفس کے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ اپنے فیصلے میں خود کروں گا۔ جیسے میں چلانا چاہوں ویسے یہ چلے۔ یہ ٹھیک ہے اور یہ اسے آسان لگتا ہے۔

اعمال کی درستی، قلب کے ساتھ ہے۔ قلب کا تعلق اللہ کے ساتھ ہو جائے، یہ ہے قلب کی صحت۔ جس کا راستہ سب سے پہلے علم حاصل کرنا، پھر ان کاموں سے بچنا جن سے اللہ اور اس کا رسول ناراض ہوتا ہو۔ علم حاصل کرنے کا صرف یہی طریقہ نہیں ہے کہ آپ جا کر کسی درس گاہ میں داخلہ لیں گے تو آپ کو علم حاصل ہو گا، بل کہ اس کا طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ کسی علم والے سے علم کی باتیں پوچھتے رہیں۔ **فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا** باخبر لوگوں سے پوچھتے رہو۔

سب سے پہلے یہ پوچھ لینا کہ کیا اس کام سے جو میں کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ ناراض تو نہیں ہو جائیں گے؟ جن کاموں سے اللہ راضی ہوتا ہے وہ کام کیا ہیں اور انہیں کیسے کرنا ہے؟ پھر جس عالمِ دین سے مناسبت پیدا ہو جائے اس سے تعلق پیدا کرو۔ دنیا اللہ کے نیک بندوں سے خالی نہیں، تم اپنے جسمانی مرض کے لیے کیسے اچھے سے اچھا طبیب تلاش کرتے ہو۔ اپنی زندگی نیکی پر لانے کے لیے کیا تمہیں اس بات کی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ اس سے ذکر پوچھ کر کیا کرو۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''جس ذکر سے تمہارے قلب کو راحت ملے وہی ذکر پہلے اختیار کرو۔ اس کو دل جلد قبول کرے گا۔ ہر وقت چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ کی یاد میں رہو، اللہ کے دھیان میں رہو دل صاف ہو جائے گا، مگر ہم کچھ بھی تو نہیں کرتے۔ کوئی چیز کتنی ہی پاس یا دور ہو اسے حاصل کرنے کے لیے چلنا ہر حال میں پڑتا ہے۔ جب قدم ہی نہ اٹھاؤ گے تو یہ دولت کیسے ملے گی؟ سچی طلب ہو گی تو اللہ ضرور نصیب فرمائے گا۔''

ایک شخص حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا۔ وہ کہنے لگا: ''ہمارے دل سوگئے ہیں۔'' حضرت نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

وہ کہنے لگا: ''حضرت آپ نصیحت کرتے ہیں، وعظ کرتے ہیں، دل پر اس کا اثر ہی نہیں ہوتا۔'' حضرت نے فرمایا: ''اگر یہ معاملہ ہے تو تم یوں نہ کہو کہ دل سوگئے، بل کہ یوں کہو کہ دل مردہ ہو گئے۔''

وہ بہت حیران ہوا اور کہنے لگا: ''دل مردہ کیسے ہو گئے؟'' حضرت نے فرمایا: ''دیکھو انسان جب سویا ہوا ہو، اسے جھنجھوڑا جائے تو وہ جاگ اٹھتا ہے۔ جو جھنجھوڑنے سے بھی نہ جاگے وہ تو سویا ہوا نہیں، وہ تو مر چکا ہے۔''

جو انسان اللہ کا کلام پاک سنے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس کے سامنے بیان کی جائیں اور پھر اس کا دل اثر قبول نہ کرے، یہ تو دل کے مرنے کی علامت ہے۔ ہم اس دل کو مرنے سے پہلے پہلے روحانی طاقت سے زندہ کر لیں۔ جب یہ دل سنور جائے گا، پھر اس میں اللہ رب العزت کی محبت سما جائے گی۔ پھر تو اس کی کیفیت ہی کچھ اور ہو گی۔ یہ اللہ والوں کی کیفیت ہوتی ہے کہ ان کا دل اللہ کی محبت سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ان کا اللہ کے سوا کسی اور جانب دھیان ہی نہیں جاتا۔ پھر بندے کا دل قیمتی بن جاتا ہے۔ دل کو سنوارنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ ہر زمانے میں نیک لوگوں کی صحبت رکھی ہے۔ اسی صحبت کی برکت سے اور ذکر پر استقامت کی برکت سے دل کی دنیا بدلتی ہے۔ اسی کی بدولت امام احمد بن حنبلؒ حضرت بشر حافیؒ کی مجلس میں بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے بزرگانِ دین، ہر جگہ اور ہر دور میں عطا فرمائے جن کے پاس بیٹھنے سے قلب کو ضرور فائدہ ہوتا ہے۔ جو جتنی طلب لے کے آتا ہے اس کی سوچ کے مطابق اس کا فائدہ ہوتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ مہاجر مدنیؒ جب اہلِ دل کے واقعات سناتے تو فرماتے: ''ان لوگوں کا دل بنا ہوا تھا، اے اللہ! ہمارے دل بھی سنوار دے۔''

دل کا ایک بڑا کام یہ ہے کہ ہر کام خالص اللہ کے لیے کر رہا ہو۔ جب اللہ کی محبت بڑھتی ہے، عظمت دل میں بیٹھتی ہے پھر اس کا شریک نہیں بن سکتا نہ عبادت میں نہ عمل میں اور نہ ہی نیت میں۔

سلفِ صالحین کی عبادت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگیوں میں اخلاص ہی اخلاص تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ عمل خالص اللہ کے لیے ہو اس میں اس کا کوئی شریک نہ ہو۔ وہ عمل ہر عیب سے پاک ہو۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اگر عمل خالص اللہ کے لیے ہو، لیکن بندہ ثواب کا امیدوار نہ ہو تو وہ قبول نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی عمل ثواب کی نیت سے تو ہو مگر اس میں اس کی نیت خالص نہ ہو تو وہ بھی قبول نہیں۔ اِلّا یہ کہ ثواب کی نیت بھی ہو اور ہو بھی خالص اللہ کے لیے تو وہ عمل بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو گا۔''

آگے فرماتے ہیں: ''خالص ہونے کی یہ علامت ہے کہ وہ عمل اللہ کے لیے کیا جائے اور ثواب کی نیت ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو۔'' نیت بھی خالص ہو اور طریقہ بھی سنت والا ہو تب عمل قابلِ قبول ہو گا۔

اخلاص آخرت میں نجات کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔ اس سے دل کا غم بھی دور ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ''جسے آخرت کی فکر ہو اللہ تعالیٰ اس کا دل غنی فرما دیتا ہے اور اس کے بکھرے ہوئے کاموں کو جمع کر دیتا ہے۔ دنیا اس کے پاس ذلیل لونڈی بن کر آتی ہے۔ جسے دنیا کی فکر ہو اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے محتاجی رکھ دیتا ہے اور اس کے مجتمع کاموں کو منتشر کر دیتا ہے اور دنیا کا مال اسے اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کا مقدر۔'' اللہ تعالیٰ ہمارے دل کو بھی غنی فرما دیں اور ہمیں اس کی صفائی کی فکر نصیب فرما دیں۔ آمین۔

تربیت ایسے کریں

محمد سعد صالح

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر چہل قدمی کی نیت سے قریبی پارک کا رخ کیا۔ ورزش سے فارغ ہو کر کچھ دیر بینچ پر ستانے بیٹھ گیا۔ ابھی بیٹھے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ بچوں کی ہنسی مزاح کی آوازیں کانوں میں رس گھولنے لگیں۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک صاحب اپنے بچوں کے درمیان بیٹھے ہنستے مسکراتے نظر آئے۔ 5 سے 8 سال کی عمر کے تین چار بچے ان کے گرد حلقہ نما بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ سب مل کے خوب ہنسی مزاح کر رہے تھے۔ میرے دل کو یہ منظر بڑا بھایا۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی بڑے غور سے نگاہیں ان پر جمالیں اور تجسس کے ساتھ انھیں دیکھنے لگا۔

"بابا.. !آج اسکول میں ایک بچے نے میرے دوست کی ٹافی چھین لی۔"

ان کے درمیان بیٹھے ایک بچے نے دکھ بھرے انداز میں ماجرا بیان کیا۔

"اوہ ہو... ! یہ تو بہت بری بات ہے۔ اچھے بچے تو ایسا نہیں کرتے، بلکہ وہ تو دوسروں کو دیتے ہیں۔" درمیان میں بیٹھے شخص نے جو ان کے والد معلوم ہو رہے تھے، حکیمانہ اسلوب میں اسے جواب دیا۔ ان کی بات ختم ہوتے ہی دائیں طرف بیٹھی ننھی منی سی بچی بول پڑی: "بابا، بابا! آج ریحہ نے مجھے نوچا تھا اور میرا اسکارف بھی کھینچا تھا۔"

"تو پھر آپ نے کیا کیا...؟؟" انھوں نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔

"میں نے اسے کچھ بھی نہیں کہا۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"شاباش میری بچی... ! آپ نے تو بہت اچھا کام کیا۔ آپ کو تو انعام ملنا چاہیے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ایک چاکلیٹ جیب سے نکالی اور اسے تھما دی۔

"آپ تو بہت اچھی بچی ہیں۔ اچھی بچیاں دوسروں کو معاف کر دیتی ہیں، دوسروں سے بدلہ نہیں لیتیں۔ ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ بھی دوسروں کو معاف کرتے تھے۔ وہ بھی کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ ہمیں بھی اپنے پیارے نبی کی طرح بننا ہے، انھی جیسے کام کرنے ہیں۔"

پیار بھرے انداز میں وہ صاحب بچی کو زندگی جینے کا سلیقہ سکھلا گئے۔

"بابا... !" درمیان میں بیٹھا سب سے چھوٹا بچہ بولنے ہی لگا تھا کہ بڑے بچے نے اسے درمیان میں کاٹ دیا۔ "بابا! پہلے میری بات سنیے۔" اس نے التجائیہ انداز اختیار کر کے کہا۔ "عمار بیٹا.. ! آپ نے یاسر بھائی کو بولنے کیوں نہیں دیا۔ ابھی ان کی باری تھی۔ آپ اپنی باری میں بول چکے تھے۔ آپ تو اچھے بچے ہیں نا، اچھے بچے تو دوسروں کی باری انھیں دیتے ہیں، دوسروں کی باری نہیں چھینتے۔"

اپنے ابو کی بات سن کر بچے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلیں آپ یاسر بھائی سے معافی مانگیں۔" وہ معافی مانگنے کے لیے چھوٹے میاں کی طرف مڑا ہی تھا کہ چھوٹے نے بلند آواز سے کہا: "بابا میں نے بھائی جان کو معاف کر دیا ہے۔" یہ سنتے ہی عمار کا چہرہ کھل اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر یاسر کو گلے سے چمٹا لیا۔ یہ منظر دیکھ کر ان کے بابا نے بھی "شاباش میرے بچو!" کا نعرہ لگا کر انھیں اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

اسی دوران فضا میں اذانِ مغرب کی صدائیں گونجنے لگیں۔ اذان کی آواز سنتے ہی وہ صاحب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: "چلو بچو! اٹھو! اب اللہ کے گھر چلتے ہیں۔ اللہ پاک نے ہمیں اپنے گھر بلایا ہے۔ اچھے لوگ اذان سنتے ہی مسجد کی طرف چل دیتے ہیں۔ وہاں جا کر نماز پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں اور اپنے پیارے اللہ کو خوش کرتے ہیں۔"

"بابا! ہم بھی اچھے بچے بنیں گے اور نماز پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سے بھی خوش ہوں گے نا...؟" معصوم سا بچہ آنکھوں میں امید کے دیے جلاتے ہوئے بول پڑا:

"جی بیٹا کیوں نہیں... اللہ تعالیٰ ضرور خوش ہوں گے اور بہت انعامات دیں گے۔"

یہ سن کر وہ بچہ خوشی سے نہال ہو گیا۔

اسی کے ساتھ ہی وہ لوگ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے، مگر مجھے حیرت کا بت بنا چھوڑ گئے۔ اولاد کی تربیت کا یہ حسین منظر میرے دل و دماغ میں سما گیا اور میں نے تہیہ کر لیا کہ اولاد کی تربیت ایسی ہی کرنی ہے، تاکہ ان کی دنیا و آخرت دونوں کو سنوارا جا سکے۔ ایک نئے جذبے اور نئے عزم کے ساتھ میں بھی مسجد کی طرف چل پڑا۔

انگریزی اور رنگریزی

زبیر فرید

کیا آپ کو انگریزی نہیں آتی اور آپ یہ زبان نہ جاننے کی وجہ سے پریشان ہیں؟ بالکل مت گھبرائیے! اگر آپ انگریزی سے ناواقف ہیں یا چاہت کے باوجود نہیں بول سکتے تو فکر کی کوئی بات نہیں، ہم بھی آپ ہی کی صف میں شامل ہیں جو لوگ آپ سے انگریزی بول کر رعب جھاڑنا چاہیں ان سے ذرا بھی مرعوب نہ ہوں بلکہ یوں سمجھیے کہ یہ دیس میں پیدا ہونے والے فارمی لوگ ہیں۔ اگر آپ میں قوتِ اعتماد کی کمی ہے تو پھر بھی پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس صورت میں اگر کوئی آپ سے انگریزی میں بات کرے

تو بڑے آرام سے کہہ دیجیے کہ آپ بولتے تو اچھی ہیں، مگر میں سمجھتا نہیں۔ اگر زیادہ نخرے دکھانے ہیں تو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ بولتے تو اچھی ہیں مگر میں ذرا بھی نہیں سمجھا، مہربانی کر کے ترجمہ بھی آپ ہی کر لیں اور اگر آپ اپنے آپ کو اونچا اور مدِّ مقابل کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں: ٹرانسلیٹ پلیز، نو انگلش۔

ہمارے معاشرے میں انگریزی بولنے والا بندہ نرا جاہل ہونے کے باوجود پڑھا لکھا سمجھا جاتا ہے۔ اب دیکھیے نا، لڑکا یا لڑکی چاہے میٹرک بلکہ پرائمری فیل ہو یا ایم فل، شادی کارڈ چھپوانے کے لیے انگریزی زبان کا سہارا ایسے لیتے ہیں جیسے انگلستان کے شہزادے یا شہزادی کی دعوت ہو۔ بعض کو تو انگریزی بولنے کا ایسا ہیضہ ہوتا ہے کہ اردو بولتے ہوئے ان کی زبان لڑکھڑا جاتی ہے، دوسری طرف کئی ایسے بھی ملیں گے جو اپنی گفتگو میں موقع بموقع زبردستی انگریزی الفاظ ٹھونسیں گے۔

اس تحریر کا مقصد انگریزی کی "انسلٹ" ہرگز نہیں ہے، کیوں کہ اس کام کے لیے تو ہمارے ہاں رہنے والوں نے جو کردار ادا کیا ہے وہی کافی ہے۔ چلیے، تفریحِ طبع کے لیے ایک لطیفہ ملاحظہ فرمائیے:

ایک آدمی کسی بڑے ہوٹل میں گیا۔ اس کا دل بکرے کی زبان کھانے کو کر رہا تھا، مگر اسے پتا نہ تھا کہ زبان کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں۔ اس نے ویٹر سے کہا: تم کون کون سی زبان بول سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ انگلش لینگویج۔۔۔۔ اردو لینگویج وغیرہ۔

یہ سن کر وہ آدمی بولا: بہت خوب! اب ایسا کرو بکرے کی ایک لینگویج لے آؤ۔

ہم انگریزی کے دشمن نہیں ہیں، انگریز کلچر سے شکوہ کناں ہیں، جو ہمارے لوگوں نے اپنا لیا۔ آج سے کچھ دہائیاں قبل انگریز کو گالیاں دی جاتیں، برا بھلا کہا جاتا، مگر ماحول نے ایسا پلٹا کھایا کہ اب وہی انگریز مائی باپ اور انگلستان (لندن) ہمارے لیے مقامِ احترام بن گیا۔ درحقیقت! ہم نے انگریز سے بدنی آزادی تو حاصل کر لی مگر ذہنی طور پر ہنوز غلامی کی زنجیروں میں قید ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کچھ وقت پہلے وہ انگریز جو ہمارے آبا و اجداد کی نظر میں کانٹوں کی مانند چبھتے تھے، وہ موجودہ نسل کے لیے محور و مرکز کیوں ٹھہرے۔۔۔۔؟ کیوں قصرِ اسود (خانہ کعبہ) کے مقابلے میں قصرِ ابیض (وہائٹ ہاؤس) قبلہ ٹھہرا؟ ہمارے نوجوان زیارتِ مکہ کی بجائے لندن اور نیویارک کی یاترا کے لیے کیوں بے چین رہتے ہیں؟؟؟

بلاشبہ ہر زبان کی ایک تاثیر ہوتی ہے۔ لامحالہ اس کے اثرات اس زبان کے بولنے والوں پر پڑتے ہیں۔ اگر ہماری جدوجہد اور کاوش انگریزی سیکھنے تک ہوتی تو ایک بات تھی، مگر ہم اپنی حیثیت بھول کر انگریزوں کے حلیے، لباس، اخلاق، اقدار کے خوگر ہو گئے۔ انگریزی کھانے، انگریزی رہن سہن، انگریزی لباس، انگریزی بال، انگریزی طور طریقے، غرض ہر چیز میں انگریزی لائف اسٹائل اپنا لیا، یعنی کوّا چلا ہنس کی چال، اپنی بھی بھول گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس زبان و ثقافت کے لیے ہماری اتنی "قربانیوں" کے باوجود بھی ہم انگریزوں کے منظورِ نظر نہ بن سکے۔ الٹا خود ساختہ دہشت گردی کا لفظ انھوں نے ہم پر لیبل کر دیا۔ انگریزی زبان کی بین الاقوامی مسلّمہ اہمیت سے انکار اور اس سے فرار ممکن نہیں لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنی تہذیب ثقافت کو چھوڑ کر دوسروں کی نقالی شروع کر دیں، اپنی شناخت سے تہی دست و داماں ہو جائیں۔ ہمیں تو حکم اللہ کے رنگ میں رنگنے کا دیا گیا ہے، اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کے اوصاف سے مزین ہونے کا دیا گیا ہے، لیکن ہم نے انگریزوں کی رنگریزی کر لی۔ زندگی میں تمام علوم و فنون کی بنیاد تعلیم ہوتی ہے، اس میں بھی ہم نے اس زبان کو ماتھے کا جھومر بنا رکھا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ انگریزی کے بغیر ترقی و کامیابی ممکن نہیں۔ غور کیا جائے تو تعلیم کے معاملے میں بھی ہماری ابتری اور گرانی کی اہم وجہ قومی زبان سے دوری سے زیادہ انگریزی سے دلداری ہے۔ دنیا بھر کے ترقی یافتہ ممالک اپنی مادری زبان میں تعلیم دیتے ہیں، مگر یہاں بھی ہم نے انگریز سرکار کا دامن تھاما ہوا ہے۔ باقی کسر انگریزی لیول کے اسکولوں نے پوری کر دی۔ ان انگلش میڈیم اسکولوں کا تو بس نہیں چلتا، نہیں تو وہ اردو کا بھی کسی طرح ملغوبہ بنا کر اسے انگریزی میں پڑھانے لگ جائیں۔ چلیں، اگر انگریزی کا اتنا ہی بھوت سوار ہے اور دعویٰ بھی انگلش میڈیم کا ہے تو پھر ہر بچے کو بآسانی انگریزی زبان آنا چاہیے تھی، مگر اب بھی میٹرک کے بچے انگریزی میں درخواست رٹے لگا کر یاد کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر ہماری قوم کی نہ تو انگریزی ٹھیک ہوئی، نہ ہی اردو کو درست طریقے سے سیکھ پائے۔ بڑی کلاس کے بچوں کی اشعار سے تو جان نکلتی ہی ہے، نثر کی تشریح میں بھی ان کا نزلہ بہنے لگتا ہے۔ مڈل کلاس سے لے کر ایلیٹ کلاس تک سبھی اس کا شکار ہیں۔

چینی، چینی بولتے ہیں، فرانسیسی، اپنی زبان میں کلام کرتے ہیں، جاپانی، اپنی زبان میں گفتگو کرتے ہیں، سعودی اپنی زبان میں ترجمانی کرتے ہیں، روسی اپنی زبان میں بات چیت کرتے ہیں، ہمیں نجانے کیا ہو گیا ہے کہ انگریزی زبان کی غلامی اختیار کر رکھی ہے۔ مزے کی بات۔۔۔۔ جو دانش ور انگریزی زبان کو ترقی کی زبان قرار دیتے ہیں، ان سے کوئی پوچھے کہ آیا سائنس و ٹیکنالوجی اور فنون میں نام منوانے والی موجودہ قوتوں جاپان، چین، کوریا نے اپنے نصاب کو انگریزی سے مزین کر رکھا ہے؟ فی زمانہ ابھرتی ہوئی مضبوط اسلامی معیشت کا حامل ملک "ترکی" بھی ترک زبان کو ہی لے کر آگے بڑھا ہے۔

ہمیں احساسِ کمتری کی یہ چادر اتار پھینکنا ہو گی۔ فوج ہو یا سول سروس، حکومتی سطح کے ادارے ہوں یا نجی، تعلیمی ادارے یا کہ پھر کاروباری، ہم میں سے ہر ایک کو اپنی قومی زبان کی ترویج کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہو گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قائدانہ کردار سب سے پہلے گھر ہی سے شروع ہوتا ہے۔ کیوں نہ! عزم کریں کہ آج سے اپنے گھروں، ماحول، معاشرے میں اردو زبان کو فوقیت دیں گے۔

کے لیے وہ چاہتی ہے کہ انکار کرنے کا شرف مجھے حاصل ہو۔ وہ میری زندگی میں آنے سے پہلے ہی جا چکی تھی۔ اس کے ساتھ کسی رشتے میں بندھنے سے پہلے ہی میں دل ہی دل میں جذباتی طور پر اس سے منسلک ہو چکا تھا اور نہ جانے کیوں یہ بے وفائی کی نوید مجھے کھوکھلا کر گئی تھی۔ جیسے میری زندگی خالی ہو چکی ہو اور کچھ بھی نہ بچا ہو، پھر میں نے تپتی دوپہر میں سنسان سڑکوں پر اس کی تلاش شروع کی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

ایک روز میں نے بیت السلام فوڈ بنک کے کارندوں کو ایک زیرِ تعمیر عمارت کے نیچے چلچلاتی دھوپ میں بیٹھے تھکے ہارے مزدوروں کے درمیان کھانا بانٹتے دیکھا تو میں نے بھی ان کے ساتھ شامل ہونے کی ٹھان لی۔ مجھے لگا جیسے مجھے وہ مل گیا، جس کی تلاش تھی، مجھے سکون بھی بہت ملا۔

فوڈ بنک کے کام سے فارغ ہونے کے بعد جب میں نے گھر کے لیے رکشہ کروایا تو کرایہ 120 روپے طے ہوا۔ راستے بھر میں اس رکشے والے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ صاف ستھرے استری کیے ہوئے کپڑے، چہرے پر سفید داڑھی، خوبصورت سی عینک، کہیں سے بھی غربت نہیں جھلک رہی تھی۔ نہ جانے کیا راز پوشیدہ ہے اس نورانی چہرے کے پیچھے، گھر کے باہر جب رکشہ رکا تو میں نے 500 کا نوٹ نکال کر دیا۔

"بیٹا! میرے پاس کھلے پیسے نہیں ہیں۔" رکشے والے بابا نے کہا۔

"کیا بات کرتے ہیں!" میں نے اصرار کیا، بھلا آپ کے پاس کیسے نہیں ہوں گے؟ "بیٹا! میں نے کہا نا میرے پاس نہیں ہیں۔" رکشے والے نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا: "مجھے دیر ہو رہی ہے، آپ جتنے پیسے دینا چاہو، دے دو، مجھے جانا ہے۔"

"ایسی بھی کیا جلدی ہے، میں آپ کو کھلے کروا دیتا ہوں۔" میں نے بھی ضد کی۔ "ارے بیٹا! مجھے دیر ہو رہی ہے، مجھے آگے جا کر مسجد میں نماز پڑھنی ہے۔ آج میرا رکشہ چلانے کا پہلا ہی دن ہے۔ صبح ساڑھے سات بجے سے نکلا ہوا ہوں اور ابھی تک پچاس پچاس کی صرف دو سواریاں ہی ملی ہیں۔ میرے پاس کھلے پیسے نہیں ہیں آپ کو جتنے دینے ہیں دے دو۔"

رکشے والے بابا کی بات سن کر میں نے اپنا 500 کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا اور گھر کی طرف بڑھ گیا۔ آج مجھے ایسا لگا جیسے خدا نہ رات کے اندھیرے میں ملتا ہے اور نہ سورج کی روشنی میں۔ وہ تو میرے دل میں بستا ہے۔ آج مجھے لگا کہ میں واقعی میں بڑا ہو گیا ہوں، اب مجھے سمجھ آ گیا تھا کہ

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ ہم دنیا کی گہما گہمی، ریل پیل اور رونقوں میں گم ہو کر رہ گئے ہیں اور آخرت کو بھول بیٹھے ہیں جب کہ ایک ثقیل اور بھاری دن سے ہم سب کا سابقہ پڑنے والا ہے۔ اللہ رب العزت نے قیامت کے بارے میں فرمایا "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰی وَاَمَرُّ" (سورۃ القمر آیت46)۔ بلکہ قیامت اُن کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت سے زیادہ دہشت ناک اور تلخ تر ہے۔ ہم دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ موت و حیات کا اصل مقصد امتحان و آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو نعمتیں دے کر آزماتا ہے اور کسی سے لے کر۔ صبر کرنے والوں کے لیے آخرت میں اجرِ عظیم ہے۔

یہ عام مشاہدہ ہے کہ جو طالب علم بھرپور محنت و تیاری کر کے کمرہ امتحان میں بیٹھتا ہے وہ اطمینان کے ساتھ پرچہ حل کر لیتا ہے اور جب وہ کمرہ امتحان سے باہر نکلتا ہے تو اس کو کامیابی کا یقین ہوتا ہے۔ لیکن وہ طالب علم جس نے اپنا وقت کھیل کود میں گزارا ہوتا ہے اور امتحان کی کوئی تیاری نہیں کی ہوتی تو وہ امتحانی پرچہ دیکھ کر حواس باختہ ہو جاتا ہے اور سوالات کے صحیح جوابات تحریر نہیں کر پاتا۔ اس کو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ امتحان میں ناکام ہو گا اور اس کو ذلت و رُسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آخرت کا معاملہ اس سے بھی زیادہ کٹھن ہے۔ انسان کی روح قبض ہوتے ہی سوال و جواب کا سلسلہ جاری و ساری ہو جاتا ہے۔ موت کے فرشتے سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ روح مومن کی ہے یا کافر کی۔ علیین میں ٹھکانا ہے یا سجین میں۔ اس سخت امتحان کی تیاری کے لیے یہ مضمون قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے تاکہ غفلت کا پردہ اُٹھ جائے اور عذاب قبر اور حشر سے محفوظ رہا جا سکے۔

"یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں ریاض جانے کے لیے ایک گھنٹہ پہلے گھر سے نکلا لیکن راستے میں رش اور چیکنگ کی وجہ سے ایئرپورٹ لیٹ پہنچا۔ جلدی سے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کی اور دوڑتے ہوئے کاؤنٹر پہ جا پہنچا۔ کاؤنٹر پہ موجود ملازم سے میں نے کہا: مجھے ریاض جانا ہے اُس نے کہا ریاض والی فلائٹ تو بند ہو چکی ہے میں نے کہا پلیز مجھے ضرور آج شام ریاض پہنچنا ہے۔ اُس نے کہا زیادہ حجت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت آپ کو کوئی بھی جانے نہیں دے گا۔ میں نے کہا اللہ تمہارا حساب کر دے۔ اُس نے کہا اس میں میرا کیا قصور ہے؟

میں پریشانی کی حالت میں ایئرپورٹ سے باہر نکلا' سوچ رہا تھا کیا کروں۔ ریاض جانے کا پروگرام ہی کینسل کر دوں؟ اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے روانہ ہو جاؤں یا ٹیکسی میں جاؤں۔ کچھ سوچنے کے بعد ٹیکسی میں جانے کا فیصلہ کیا۔ باہر ایک پرائیویٹ گاڑی کھڑی تھی' میں نے پوچھا کہ ریاض کے لیے کتنا کرایہ لو گے۔ اس نے کہا پانچ سو ریال۔ بہر حال چار سو پچاس ریال میں بڑی مشکل سے راضی کیا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر ریاض کے لیے روانہ ہو گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ گاڑی تیز چلائی ہے۔ اس نے کہا فکر مت کرو۔ واقعی اس نے خطرناک حد تک گاڑی دوڑانا شروع کر دی۔ راستے میں اس سے کچھ باتیں ہوئیں۔ اس نے میری جانب اور خاندان کے متعلق کچھ سوالات کیے اور کچھ سوالات میں نے بھی اس سے پوچھ لیے۔

اچانک مجھے اپنی والدہ کا خیال آیا کہ ان سے بات کر لوں میں نے موبائل نکالا اور والدہ کو فون کیا۔ انہوں نے پوچھا: بیٹے کہاں ہو؟ میں نے جہاز کے نکل جانے اور ٹیکسی میں سفر کرنے والی بات بتا دی۔ ماں نے دعائیں دیں۔ بیٹے تمہیں خدا ہر قسم کے شر سے بچائے۔ میں نے کہا جب میں ریاض پہنچ جاؤں گا تو آپ کو اطلاع دے دوں گا۔ قدرتی طور پر میرے دل پر ایک پریشانی چھا گئی اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی مصیبت میرا انتظار کر رہی ہو اس کے بعد میں نے اپنی بیوی کو فون کیا میں نے اسے بھی ساری بات بتا دی اور اسے ہدایت کی کہ بچوں کا خیال رکھے' بالخصوص چھوٹی بچی کا۔ اس نے کہا جب سے آپ گئے ہیں' وہ مسلسل آپ ہی کے بارے میں پوچھ رہی ہے۔ میں نے کہا میری بات کراؤ۔ بچی نے کہا بابا آپ کب آئیں گے؟ میں نے کہا: ابھی تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا۔ میں نے پوچھا: کوئی چیز چاہیے؟ وہ بولی: ہاں میرے لیے چاکلیٹ لے آیئے۔ میں ہنسا اور کہا ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میں اپنی سوچوں میں گم ہو گیا' اس دوران ڈرائیور نے پوچھا: میں سگریٹ پی سکتا ہوں۔ میں نے کہا: بھائی تم مجھے ایک نیک اور سمجھدار انسان لگ رہے ہو تم کیوں خود کو اور اپنے مال کو نقصان پہنچا رہے ہو۔ اس نے کہا: میں نے پچھلے رمضان میں بہت کوشش کی کہ سگریٹ چھوڑ دوں لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوت دی ہے تم سگریٹ چھوڑنے کا معمولی سا کام نہیں کر سکتے۔ اس نے کہا آج کے بعد میں سگریٹ نہیں پیوں گا۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے۔

مجھے یاد پڑتا ہے اس کے بعد میں نے گاڑی کے دروازے کے ساتھ سر لگایا کہ اچانک گاڑی سے زوردار دھماکے کی آواز آئی' پتا چلا گاڑی کا ایک ٹائر پھٹ گیا ہے۔ میں گھبرایا اور ڈرائیور سے کہا رفتار کم کرو اور گاڑی کو قابو کرو۔ اس نے گھبراہٹ میں کوئی جواب نہیں دیا۔ گاڑی ایک طرف نکل گئی اور قلا بازیاں کھاتی ہوئی ایک جگہ رک گئی۔ مجھے اُس وقت اللہ نے توفیق دی' میں نے زور زور سے کلمہ شہادت پڑھا۔ مجھے سر میں چوٹ لگی تھی اور درد کی شدت سے سر پھٹا جا رہا تھا۔ میں جسم کے کسی حصے کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنا درد کبھی نہیں دیکھا تھا' میں بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن بول نہیں سکتا تھا۔ جبکہ میری آنکھیں کھلی تھیں۔ لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اتنے میں لوگوں کے قدموں کی آوازیں سنیں جو ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ اسے ہلاؤ نہیں سر سے خون نکل رہا ہے اور ٹانگیں ٹوٹ چکی ہیں۔ میری تکلیف میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا اور سانس لینے میں شدید دشواری محسوس کر رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ شاید میری موت آ گئی ہے۔ اُس وقت مجھے گزری ہوئی زندگی پر جو ندامت ہوئی میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ مجھے پتا چلا کہ اب مجھے موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

اِس قصے کے آخر میں بتاؤں گا کہ اس کی کیا حقیقت ہے۔ یہاں پر ہر بھائی بہن تصور کرے کہ جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے اُس کا عنقریب سب کو اس ملتے جلتے حالات سے سابقہ پیش آنا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کی آوازیں بند ہو گئیں میری آنکھوں کے سامنے مکمل تاریکی چھا گئی اور میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ جیسے میرے جسم کو چھریوں سے کاٹا جا رہا ہو۔ اتنے میں مجھے ایک سفید ریش نظر آیا اس نے مجھے کہا بیٹے! یہ تمہاری زندگی کی آخری گھڑی ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ رب تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا ہے نصیحت؟ اس نے کہا عیسائیت کی ترغیب' خدا کی قسم اس میں تمہاری نجات ہے۔ اگر تم اس پر ایمان لائے تو تمہیں تمہارے گھر والوں کی طرف لوٹا دوں گا اور تمہاری روح واپس لے آؤں گا۔ جلدی سے بولو وقت ختم ہو رہا ہے۔ مجھے اندازہ ہوا یہ شیطان ہے۔ مجھے اس وقت جتنی بھی تکلیف تھی اور جتنا بھی میں اذیت سے دوچار تھا لیکن اس کے باوجود اللہ اور اس کے رسول پر پکا ایمان تھا' میں نے اس سے کہا جا اللہ کے دشمن میں نے اسلام کی حالت میں زندگی گزاری ہے اور مسلمان ہو کر مروں گا۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا بولا: تمہاری نجات اسی میں ہے کہ تم یہودی یا نصرانی مر جاؤ ورنہ میں تمہاری تکلیف بڑھا دوں گا اور تمہاری روح قبض کر لوں گا۔ میں نے کہا موت تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جو بھی ہو۔ میں اسلام کی حالت میں ہی مروں گا۔ اتنے میں اس نے اوپر دیکھا اور دیکھتے ہی بھاگ نکلا۔ مجھے لگا جیسے کسی نے اسے ڈرایا ہو۔ اچانک میں نے عجیب قسم کے چہروں اور بڑے بڑے جسموں والے لوگ دیکھے وہ آسمان کی طرف سے آئے اور کہا: السلام علیکم۔ میں نے کہا: وعلیکم السلام اس کے بعد وہ خاموش ہو گئے اور ایک لفظ بھی نہیں بولے۔ ان کے پاس کفن تھے' مجھے اندازہ ہوا کہ میری زندگی ختم ہو گئی ہے۔ ان میں سے ایک بہت بڑا فرشتہ میری طرف آیا اور کہا: اے نیک روح اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی کی طرف نکل آ۔ یہ بات سن کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا میں نے کہا: اللہ کے فرشتے میں حاضر ہوں۔ اس نے میری روح کھینچ لی مجھے اب ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نیند اور حقیقت کے مابین ہوں۔ ایسا لگا مجھے جسم سے آسمان کی طرف اُٹھایا جا رہا ہے۔ میں نے نیچے دیکھا تو پتا چلا کہ لوگ میرے جسم کے ارد گرد کھڑے ہیں اور انہوں نے میرے جسم کو ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا ہے۔

میں نے دو فرشتوں کو دیکھا وہ مجھے وصول کر رہے ہیں اور مجھے کفن میں ڈال کر اوپر کی طرف لے جا رہے ہیں۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا تو مجھے اُفق کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا۔ مجھے بلندی سے بلندی کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ ہم بادلوں کو چیرتے چلے گئے مجھے ایسا لگا جیسے کہ میں ایک جہاز میں بیٹھا ہوں۔ یہاں تک کہ پوری زمین ایک گیند کی طرح نظر آ رہی تھی۔ میں نے ان دو فرشتوں سے پوچھا کیا اللہ مجھے جنت میں داخل کرے گا؟ انہوں نے کہا اس کا علم اللہ کی ذات کو ہے ہمیں صرف تمہاری روح لینے کی ذمے داری سونپی گئی ہے اور ہم صرف مسلمانوں پر مامور ہیں۔ پھر ہمارے قریب سے کچھ اور فرشتے گزرے' جن کے پاس ایک روح تھی اور اس سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ میں نے اپنی زندگی میں اتنی زبردست خوشبو کبھی نہیں سونگھی تھی۔ میں نے حیرت کے عالم میں فرشتوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ ایک فلسطینی کی روح ہے جسے یہودیوں نے تھوڑی دیر پہلے قتل کیا ہے۔ جب وہ اپنے دین اور وطن کی دفاع کر رہا تھا۔ اس کا نام ابو العبد ہے۔ میں نے کہا کاش میں شہید ہو کر مرتا۔ اس کے بعد کچھ اور فرشتے ہمارے قریب سے گزرے ان کے پاس ایک روح تھی' جس سے سخت بدبو آ رہی تھی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ بتوں اور گائے کو پوجنے والا ایک ہندو ہے۔ جسے تھوڑی دیر پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے ہلاک کر دیا۔ میں نے کہا: شکر ہے میں کم از کم مسلمان مرا ہوں۔ میں نے کہا۔ میں نے آخرت کے سفر کے حوالے سے بہت پڑھا ہے لیکن یہ جو کچھ ہو رہا ہے میں نے کبھی اس کا تصور نہیں کیا تھا۔ انہوں نے کہا شکر کرو مسلمان مرے ہو۔ لیکن ابھی تمہارے سامنے سفر بہت لمبا ہے اور بے شمار مراحل ہیں۔

(جاری ہے)

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

اجرت سے زائد رقم دینے کا فیشن

سوال: آج کل ہمارے معاشرے میں ایک نئے فیشن کا رواج بڑھتا جارہا ہے۔ وہ یہ کہ ''ٹپ''، ''بخشش'' اور ''اوپر کی آمدنی'' کے نام سے کسی خدمت گار کو اس کی خدمتوں کے طفیل اس کے مقررہ معاوضے کے علاوہ فاضل انعام دیا جاتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: واضح رہے کہ کسی شخص کو اس کے مقررہ معاوضے سے زائد رقم دے دینا نہ صرف جائز' بل کہ مستحب ہے' لیکن اس سلسلے میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

1. لینے والوں کو اپنے مقررہ معاوضے سے زیادہ کی طمع اور حرص نہیں ہونی چاہیے۔
2. اگر کوئی شخص انعام نہ دے تو نہ اس سے مطالبہ کیا جائے' نہ اس کو بخیل سمجھا جائے کہ شرعاً یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔
3. جو چیز حرام کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام ہوتی ہے' مثلاً: پیشہ ورانہ طور پر بھیک مانگنا حرام ہے اور جو لوگ ان پیشہ ورانہ بھکاریوں کو پیسے دیتے ہیں وہ گویا ان کو بھیک مانگنے کا خوگر اور عادی بناتے ہیں' اس لیے بعض علمائے وقت نے تصریح کی ہے کہ پیشہ ور بھکاریوں کا بھیک مانگنا ہی حرام نہیں' ان کو دینا بھی حرام ہے۔ اسی طرح اگر زائد رقم دینے کے ذریعے ان حضرات میں مطالبہ کرنے کی عادت پڑنے اور نہ دینے والے کو بخیل اور حقیر سمجھنے کا مرض پیدا ہو جائے تو یہ سب خود لائق ترک ہو جائے گا۔

جان چھڑانے کے لیے رشوت دینا

سوال: آج کل پولیس والے' لوگوں کو بلاوجہ تنگ کرتے ہیں۔ گاڑیوں کے کاغذات وغیرہ پورے ہونے کے باوجود کہتے ہیں کہ جرمانہ دو! یہ جرمانہ بطورِ رشوت لیتے ہیں۔ اگر جرمانہ نہ دیا جائے تو چالان کر دیتے ہیں' جس سے عدالتوں کی مصیبت گلے پڑ جاتی ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر ایسی صورتِ حال میں کوئی آدمی رشوت دے کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے تو کیا وہ اس حدیث کا مصداق ہو گا کہ رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں؟ اگر ایسا واقعہ پیش آجائے تو کیا کیا جائے؟

جواب: اپنی عزت بچانے کے لیے اگر مجبوری سے رشوت دینی پڑے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر پکڑ نہیں فرمائیں گے۔

ناجائز کمائی بچوں کو کھلانے کا گناہ کس پر ہو گا؟

سوال: ایک آدمی اپنے بچوں کو ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کھلاتا ہے' یہاں تک کہ بچے بالغ اور سمجھ دار ہو جاتے ہیں اور بچوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے باپ نے ہمیں حرام کی کمائی کھلائی' تو کیا بچوں کو اپنے والدین سے الگ ہو جانا چاہیے؟ اگر بچے ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ خود کما کھا سکیں تو بچوں کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا باپ کا گناہ بچوں کو بھی ہو گا؟

جواب: واضح رہے کہ بالغ ہونے اور علم ہو جانے کے بعد تو بچے بھی گناہ کار ہوں گے' لہٰذا ان کو اس قسم کی کمائی سے پرہیز کرنا چاہیے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر الگ ہونا چاہیے' البتہ والدین کی خدمت اور احترام میں کوئی کمی نہ کریں اور ان کی ضروریات اگر ہوں تو ان کو بھی پورا کیا کریں۔

اپنی زندگی میں جائیداد کس نسبت سے اولاد کو تقسیم کرنی چاہیے؟

سوال: میری چھ اولادیں ہیں' جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے: 4 لڑکیاں شادی شدہ' ایک لڑکا شادی شدہ' ایک لڑکا غیر شادی شدہ۔ میری کچھ جائیداد ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اولاد میں سے جس جس کا جو حصہ شریعت کی رُو سے بنتا ہے' میں اپنی زندگی میں ہی اس کو حصہ دے دوں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ پہلے غیر شادی شدہ لڑکے کا حصہ نکال کر (یعنی شادی کے اخراجات) باقی جائیداد اور نقدی کی تقسیم کس طرح ہو گی؟ ایک روز چاروں لڑکیاں اور چاروں داماد موجود تھے' میں نے ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا' چوں کہ چاروں لڑکیاں صاحبِ نصاب ہیں انہوں نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بہت دیا ہے' ہم چاروں اپنے حصے دونوں بھائیوں کو دینا چاہتی ہیں۔ اب فرمایئے کہ اس جائیداد کی تقسیم کس طرح ہو گی؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں آپ اپنے غیر شادی شدہ لڑکے کے اخراجات نکال کر اس لڑکے کے حوالے کر کے باقی جائیداد اپنی زندگی ہی میں اپنی تمام اولاد میں تقسیم کر سکتے ہیں' البتہ اس تقسیم کے لیے ضروری ہے کہ لڑکے اور لڑکی دونوں کو برابر کا حصہ دیں' نیز جو جائیداد

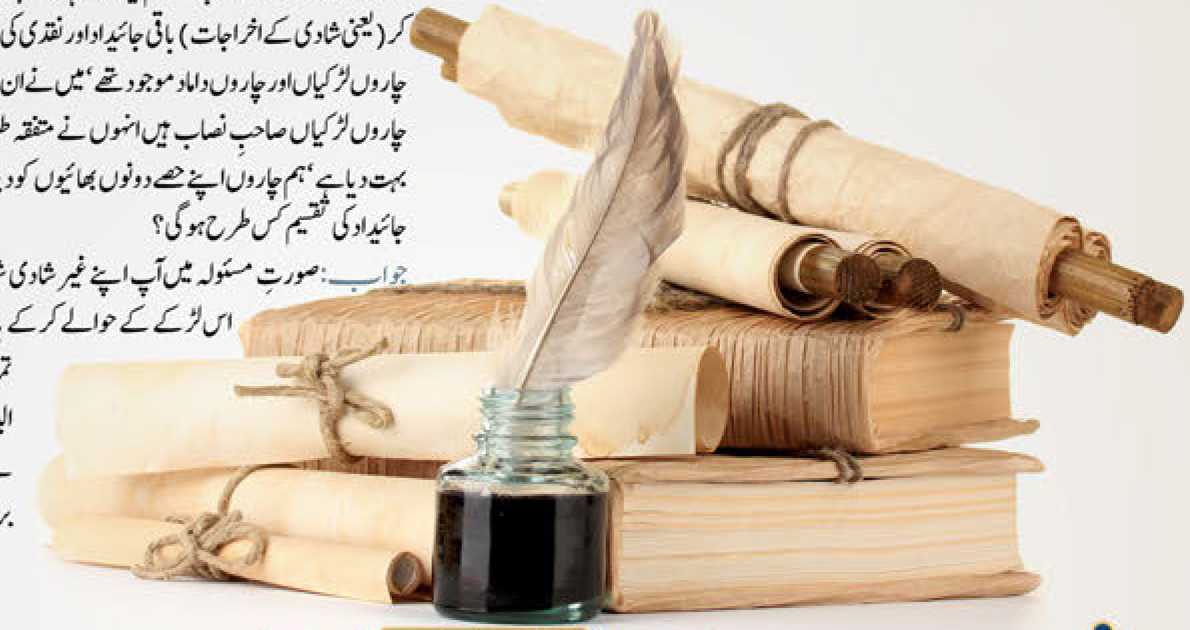

منقولہ یا غیر منقولہ ان کے درمیان تقسیم کریں' وہ ان کے قبضے میں دے دیں۔ اگر آپ نے جائیداد ان کے قبضے میں نہیں دی' بل کہ محض کاغذی طور پر تقسیم کی ہے اور جائیداد اپنے قبضے میں رکھی ہے تو آپ کے انتقال کے وقت وہ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ جو آپ کے قبضے میں ہے' اس کی تقسیم میراث کے اصولوں کے مطابق ہو گی' یعنی لڑکی کا ایک حصہ اور لڑکے کے دو حصے۔ آپ کی لڑکیاں اگر اپنے حصے سے دست بردار ہونا چاہتی ہیں تو آپ اپنی تمام جائیداد اپنے لڑکوں کو دے سکتے ہیں۔ اس صورت میں اگر آپ نے لڑکوں کے درمیان جائیداد تقسیم کر کے ان کو قبضہ دے دیا تو آپ کے انتقال کے بعد آپ کی لڑکیوں کو اس میں حصے کا مطالبہ کرنے کا حق نہ ہو گا۔ اگر آپ نے انتقال تک لڑکوں کو قبضہ نہ دیا تو آپ کے انتقال کے بعد لڑکیاں اس جائیداد میں اپنے حصے کا مطالبہ میراث کے اصولوں کے مطابق کر سکتی ہیں۔

دفتری اوقات میں نماز ذکر و تلاوت وغیرہ کا حکم

سوال: بعض سرکاری ملازمین' مثلاً: اساتذہ' کلرک وغیرہ ڈیوٹی کے اوقات کے دوران' جب کہ کوئی وقفہ بھی نہیں (یعنی وقفہ کے علاوہ) اوقات میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور اس دوران کوئی کام نہیں کرتے' جس کی وجہ سے اساتذہ کرام سے بچوں کا اور دیگر ملازمین سے دفتر اور متعلقہ افراد کا نقصان یا کام کا حرج ہوتا ہے' ان کا یہ فعل ثواب ہے یا نہیں؟

جواب: واضح رہے کہ سرکاری ملازمین ہوں یا نجی ملازم' ان کے اوقاتِ کار ان کے اپنے نہیں' بل کہ جس ادارے کے وہ ملازم ہیں اس نے تنخواہ کے عوض ان اوقات کو ان سے خرید لیا ہے۔ ان کے وہ اوقات اس ادارے اور قوم کی امانت ہیں۔ اگر وہ ان اوقات کو اس کام پر صَرف کرتے ہیں جو ان کے سپرد کیا گیا ہے تو امانت کا حق ادا کرتے ہیں اور ان کی تنخواہ ان کے لیے حلال ہے۔ اگر ان اوقات میں کوئی دوسرا کام کرتے ہیں (مثلاً: ذکر و تلاوت وغیرہ) یا کوئی کام نہیں کرتے' بل کہ گپ شپ میں گزار دیتے ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرتے ہیں اور ان کی تنخواہ ان کے لیے حلال نہیں۔ تاہم اگر دفتر کا مطلوبہ کام نمٹا چکے ہیں اور وہ کام نہ ہونے کی وجہ سے فارغ بیٹھے ہوں تو اس وقت ذکر و تلاوت کرنا جائز ہے' اسی طرح کسی اور اچھے کام میں اس وقت کو صَرف کرنا بھی صحیح ہے۔

ہمارا ملازم طبقہ اس معاملے میں بہت کوتاہی کرتا ہے' دیانت و امانت کے ساتھ کام کے وقت کام کرنے کا تصور ہی جاتا رہا ہے۔ یہ حضرات عوام کے نوکر ہیں' ملازم ہیں۔ سرکاری خزانے میں عوام کی کمائی سے جمع ہونے والی رقوم سے تنخواہ پاتے ہیں' لیکن کام چوری کا یہ عالم ہے کہ عوام دفتروں کے بار بار چکر لگاتے ہیں اور ناکام واپس ہو جاتے ہیں۔ اگر رشوت یا سفارش چل جائے تو کام فوراً ہو جاتا ہے۔ گویا یہی حضرات سرکار کے اور سرکار کی وساطت سے عوام کے ملازم نہیں' بل کہ رشوت و سفارش کے ملازم ہیں۔ انصاف کیا جائے کہ ایسے ملازمین کی تنخواہ ان کے لیے کیسے حلال ہو سکتی ہے؟ اگر ان کو دل سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہو اور انہیں معلوم ہو کہ کل قیامت کے دن ان کو اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے تو دفتری کام کو دیانت و امانت کے ساتھ انجام دیا کریں اور عوام ان کے طرزِ عمل سے پریشان نہ ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں امانت و دیانت کی دولت سے بہرہ ور فرمائیں!

''ہاں بیٹی اس کی اک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کو ہلکی سی آہٹ بھی فوراً محسوس ہو جاتی ہے۔۔۔ یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہاں پر خطرہ ہے اور پھر یہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔۔۔''

مس۔۔۔ یہ کیا کھانا پسند کرتا ہے۔۔ گل رخ نے پوچھا۔

''گھاس پھوس۔۔۔ کونپلیں درختوں کے پتے۔۔۔ ٹہنیاں۔۔۔ درختوں کی چھال وغیرہ کھاتا ہے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس کو مخصوص قسم کے دانت دیے ہیں بلکہ اس کا ہاضمہ بھی بہترین ہوتا ہے۔۔۔ اپنے غیر معمولی ہاضمے کی بدولت یہ سب ہضم کر لیتا ہے۔۔ اس کے نچلے جبڑے میں جو دانت ہوتے ہیں ان میں چاند کی مانند ابھار ہوتے ہیں۔۔ ان ابھاروں سے اس کو پودے چبانے میں مدد ملتی ہے۔۔۔''مس اسما نے تفصیل سے جواب دیا۔ ''میں نے سنا ہے ہرن کے سینگ بھی خاص طرح ہوتے ہیں۔۔'' رابعہ بولی۔

''ہاں اس کے سینگ ہفتے میں ایک سے دو انچ تک بڑھ جاتے ہیں۔۔ سینگ بڑھنے کے زمانے میں ان پر مخمل کی طرح کی کھال چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔۔ سینگ جب پوری طرح بڑھ جاتے ہیں تو وہ مخمل جیسی کھال جھڑ جاتی ہے۔۔۔ یہ لڑائی جھگڑے میں اپنے سینگ کا استعمال کرتا ہے۔۔۔''

''مس۔۔ کیا تمام ہرن قد اور وزن میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔۔۔؟'' ربیعہ نے سوال کیا ''نہیں نہیں یورپ میں ایک نامی ہرن ہوتا ہے یہ تقریباً سات سے ساڑھے سات فٹ اونچا ہوتا ہے۔۔۔ یہ اس کے کندھوں تک کی اونچائی ہے۔۔۔ جب کہ جنوبی امریکا میں پوڈو نام کا ایک ہرن ہوتا ہے جو صرف دس انچ اونچا ہے۔۔۔'' مس اسما نے تفصیل سے بتایا ''میں نے سنا ہے سیاہ خرگوش،، گیدڑ اور بھیڑیے ان کے بڑے دشمن ہیں۔۔'' لبنیٰ نے سوال کیا

''ہاں تم نے بالکل درست سنا ہے مگر ان تمام جانوروں سے زیادہ بڑا دشمن تو خود انسان ہے۔۔ جو تیزی سے جانوروں کی نسلیں ختم کر رہا ہے۔۔ اس طرح کے جانوروں کی نسلیں ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔۔ دراصل ہرن کا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے۔۔۔ اس کا گوشت سینگ اور کھال حاصل کرنے کے چکر میں انسان ان کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔۔۔ مس اسما بولیں۔۔۔''

''ہرن تو بہت ہی خوبیوں کا مالک ہوتا ہے۔۔ ظاہری خوبیاں بھی اور باطنی خوبیاں بھی۔۔۔'' جویریہ ابھی کہہ ہی رہی تھی کہ راضیہ بول اٹھی: ''اس لیے اگر رائمہ کو کوئی ہرنی بول دے تو یقیناً اس کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔۔۔'' یہ بات سن کر تمام طالبات ہنسنے لگ گئیں۔۔۔ ''اللہ نے بھی کیا خوب جاندار پیدا کیے ہیں انسانی عقل تو دنگ رہ جاتی ہے'' ماریہ نے کہا

''بے شک بس اللہ تعالیٰ اپنا فرماں بردار بنائے'' مس نے جواب دیا۔ ''جزاک اللہ مس!'' ''جزاک اللہ طالبات!''

لونگ

لونگ ہاضم بھی اور خوشبودار بھی

• حکیم شمیم احمد

تعارف

لونگ کو عربی میں قرنفل اور انگریزی میں Clove کہتے ہیں۔ اس کا نباتاتی نام SyzygiumAromaticum ہے۔ یہ 30-40 فٹ اونچا سدا بہار درخت ہوتا ہے اور دیکھنے میں بہت دلکش لگتا ہے۔ اس کے پتے چمک دار سبز رنگ کے اور مسلنے پر انتہائی خوشبودار ہوتے ہیں۔ اس کے پھول بینگنی رنگ کے اور خوشبودار ہوتے ہیں۔ اس کی سوکھی ہوئی کلیوں کو لونگ کہا جاتا ہے یہ پہلے سبز پتی ہوتی ہے بعد میں سرخ ہو جاتی ہے۔ اس کو درخت سے توڑ کر سکھا لیا جاتا ہے۔ اس وقت ان میں تیل کی مقدار کافی زیادہ ہوتی ہے۔ پھولوں کی سوکھی ہوئی کلیاں بازار میں پنساری کے ہاں لونگ کے نام سے فروخت ہوتی ہیں۔

خوشبودار لونگ۔۔۔ مسالوں کا اہم جزو

ہمارے یہاں کھانوں کو خوش ذائقہ خوشبودار اور ہاضم بنانے کے لیے صدیوں سے گرم مسالوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ لونگ گرم مسالے کا اہم جزو ہے۔ لونگ کھانا ہضم کرنے میں بہت معاون ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے پلاؤ کو خوشبودار بنانے اور ہاضمے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یخنی میں بھی ڈالا جاتا ہے۔ اپنی اسی خصوصیت کے باعث اسے گرم مسالے میں اہم حیثیت حاصل ہے۔ صرف اسی پر بس نہیں، لونگ کا جوشاندہ کئی امراض میں بھی مفید ہوتا ہے۔ لونگ میں ایسے اجزا شامل ہیں جو خون کی گردش کو درست اور جسم کی حرارت کو قائم رکھتے ہیں۔ گزشتہ دو ہزار سال سے چین اور برصغیر میں اس کا استعمال عام ہے۔ ہندوستان کی لونگ بہت خوشبودار اور خوش ذائقہ ہوتی ہے۔ سعودی عرب میں حرم کے باہر افریقی خواتین لونگیں لیے کھڑی ہوتی ہیں، جنہیں لوگ بڑی رغبت سے خریدتے ہیں۔ تازہ لونگ بڑی خوشبودار اور سخت ہوتی ہیں، جب پرانی ہو جائے تو بھُربھُری ہو کر ہاتھ لگانے سے ٹوٹ جاتی ہیں۔ لونگ کا تیل بھی کشید کیا جاتا ہے جو روغنِ لونگ کے نام سے مل جاتا ہے۔ یہ صحت کے لیے بہت مفید ہے۔

بلغمی دمہ اور لونگ

جن لوگوں کو بلغمی دمے کی شکایت ہوتی ہے ان کی طبیعت اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک وہ کھانس کھانس کر بلغم خارج نہ کرلیں۔ سردیوں میں یہ مرض شدّت اختیار کر جاتا ہے اور جب دمے کا دورہ اُٹھتا ہے تو مریض کی حالت بہت خراب ہو جاتی ہے۔ ایسے مریضوں کے لیے نسخہ : لونگ پانچ عدد ابال کر چھان کر شہد کا ایک چمچہ ملا کر دن میں دو بار پلانا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ لونگ آک کے پھول اور نمک سیاہ برابر وزن لے کر کوٹ کر گولیاں بنا کر چوس لی جائیں تو دمے میں بہت فائدہ مند ہے اس سے بلغم خارج ہو جاتا ہے۔

موسم سرما کا نزلہ

موسم سرما میں نزلہ زکام اور کھانسی ہو جائے تو بعض مریضوں کی ناک سے پانی بہتا ہے۔ چھینکوں سے برا حال ہوتا ہے اور شدّتِ سردی کے باعث تو بعض لوگوں کی کھانس کھانس کر بری حالت ہو جاتی ہے یا گلا خراب ہو کر آواز بیٹھ جاتی ہے تو ایسے میں ایک لونگ لے کر ذرا سا نمک لگا کر چوسنا بڑا مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ چٹکی بھر سفوف بغیر دودھ کی چائے کے قہوے میں ملا کر پینا بھی فائدہ دیتا ہے۔

لونگ۔۔۔ فوائد کا خزینہ

نسخہ: ایک سے دو گرام لونگ کا پاؤڈر صبح دوپہر شام کھانے سے تپ دق میں بہت آرام آتا ہے۔ کھانسی بہت کم ہو جاتی ہے اور بخار بھی نہیں رہتا۔

نسخہ: لونگ کو گھس گھس کر گوہانجنیوں پر لگانے سے وہ بیٹھ جاتی ہیں۔

نسخہ: ناسور میں لونگ اور ہلدی پیس کر لگاتے رہنے سے چند ہی دنوں میں ناسور ختم ہو جاتا ہے۔

نسخہ: خسرہ نکل آنے پر دو لونگ گھس کر شہد کے ساتھ مریض کو چٹاتے رہنے سے خسرہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔

نسخہ: مصری میں چار پانچ بوند لونگ کا تیل ملا کر لینے سے زکام میں بہت افاقہ ہوتا ہے۔

نسخہ: اگر پرانے زخم کسی طرح ٹھیک نہ ہوتے ہوں یا موسم سرما میں بند چوٹ میں درد ہو تو روغن لونگ اور ہلدی کا مرہم اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔

دردِ سر یا دردِ شقیقہ

موسم سرما میں دردِ سر ہو یا دردِ شقیقہ یعنی آدھے سر کا درد، یہ مریض کو بے چین کر دیتا ہے۔

نسخہ: ایسے مریض لونگ کے چار پانچ دانے پیس کر تھوڑا سا نمک ملا کر پیشانی پر لیپ کریں تو فائدہ ہوتا ہے۔

گوع بختی کی کم بختی

بعض لوگوں کی پلکوں پر خارش ہو کر دانے بن جاتے ہیں، جنہیں گوع بختی کہا جاتا ہے۔ یہ بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں، خصوصاً صبح اُٹھنے پر یہ بہت تکلیف دیتے ہیں، جب تک دانے پک نہ جائیں اور مواد خارج نہ ہو مریض کو بہت اذیت ہوتی ہے، کیوں کہ ان دانوں میں ٹیسیں اُٹھتی ہیں۔

نسخہ: ایسے مریض کو اگر لونگ کو مٹی کے گھڑے پر گھس کر دن میں چار پانچ مرتبہ لگائیں تو دانہ بیٹھ جاتا اور درد ختم ہو جاتا ہے۔

لونگ کا سفوف اور کثرتِ پیشاب سے حفاظت

بعض لوگوں کو کم زور اعصاب کے باعث موسم سرما میں بار بار پیشاب آتا ہے۔ اس طرح بعض بچے رات سوتے ہوئے بستر پر پیشاب کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ موسم سرما میں چٹکی برابر لونگ کا سفوف استعمال کریں تو کثرتِ پیشاب سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

جوڑوں کا درد اور روغنِ لونگ

جوڑوں کا درد عموماً موسم سرما میں بڑھ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بند چوٹوں کا درد بھی اس موسم میں پریشان کرتا ہے۔ کم زور اعصاب کے لوگوں کے جسم میں بھی درد رہتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض لوگوں کو جسم کے مختلف مقامات پر درد ہوتا ہے اور وہ اسے ریاحی درد کا نام دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے لونگ کا قہوہ پینا مفید ہے۔ نیز روغنِ لونگ کو تلوں کے تیل میں ملا کر نیم گرم کر کے مالش کرنا درد کو آرام دیتا ہے۔

لونگ: قوت کا خزانہ

آج کی مصروف زندگی اور بڑھتے ہوئے مسائل نے بیشتر افراد کو اعصابی مریض بنا دیا ہے۔ جس کو دیکھو وٹامن اور طاقت کے ٹانک اور ادویہ استعمال کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے لونگ پیس کر چٹکی برابر کھانا عمدہ ٹانک سے بہتر ہے۔ بعض لوگوں میں اعصاب کو سردی لگنے کے باعث دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے ایسے لوگ بھی لونگ کا استعمال کریں تو مفید ہے۔

فوائد سے بھرپور لونگ

1. لونگ خوشبودار چکنی، کسیلی تحریک آمیز ہوتی ہے، جس کی وجہ سے یہ بدبو کو مارتی ہے۔
2. لونگ ہاضم اور بھوک بڑھاتی ہے۔
3. لونگ استعمال کرتے رہنے سے خون کے سفید خلیات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔
4. لونگ سے جسم میں قوت مدافعت بڑھ جاتی ہے۔
5. لونگ پیشاب آور ہے اس سے قوت بڑھتی اور خواتین کے دودھ میں اضافہ ہوتا ہے۔
6. لونگ گیس کو خارج کرتی اور پیٹ کے درد کو دور کرتی ہے۔
7. لونگ کو خارجی طور پر استعمال کرنے سے جِلدی امراض سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔
8. لونگ پیٹ کے کیڑے مارتی اور قے کو روکتی ہے۔
9. دو تین ثابت لونگ منہ میں رکھ کر چوسنے سے ہچکیاں آنا بند ہو جاتی ہیں۔
10. منہ آنے کے کئی امراض میں بھی لونگ مفید ہے۔
11. سوتے وقت کھلے اعضا پر لونگ کا تیل لگانے سے مچھر نہیں کاٹتے۔
12. لونگ جسم میں پیدا ہونے والے تشنج کو دور کرتی ہے۔
13. لونگ پیاس کو بجھاتی اور جگر کو متحرک کرتی ہے، اس کے استعمال سے بلغم نہیں بنتا۔
14. لونگ خون کی خرابی، دل کی کمزوری دور کرتی ہے، جس سے خون کا دوران بڑھ جاتا ہے۔
15. اگر کسی وجہ سے متلی ہو رہی ہو تو چار پانچ لونگ منہ میں چبانے سے متلی نہیں ہوتی۔
16. جوڑوں کا درد، کمر درد یا شیاٹیکا اور دیگر اعصابی دردوں میں لونگ کے تیل کی مالش کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔
17. دو لونگ پیس کر شہد کے ساتھ چٹانے سے یا لونگ کے پانی میں مصری ملا کر پلانے سے حاملہ خواتین کی اُلٹیاں آنا بند ہو جاتی ہیں۔
18. لونگ کو توے پر بھون کر یا ایسے ہی منہ میں رکھ کر چوسنے سے گلا ٹھیک ہو جاتا ہے اور چند روز تک لونگ استعمال کرنے سے ٹانسل اپنے معمول کے سائز پر آجاتے ہیں۔

قسط نمبر 12

مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا ﷺ

جنید حسن

یہ سچ ہے کہ مجھے حضورِ اکرم ﷺ کے ننھیال اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ گھر کی لوکیشن کا علم تھا اور نہ ہی ان کی ٹھیک حالت میں ہونے کا، لیکن ان دونوں جگہوں کو جس طرح لوہے کی باڑ لگا کر محفوظ کیا گیا ہے، اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں خاص تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بئرِ عثمان:

آگے بڑھے تو ہمارا رخ بئرِ عثمان کی طرف تھا۔ یہ وہی کنواں ہے، جو یثرب میں "بئرِ روصہ" کے نام سے مشہور تھا۔ مدینے میں پانی کی شدید قلت تھی۔ ایک دن حضور ﷺ نے فرمایا: "جو شخص رومہ کا کنواں خرید لے گا۔ اللہ اس کی مغفرت فرمادے گا۔" (سنن نسائی، حدیث: 3655) یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روضہ کے پاس پہنچے اور اس سے کنواں خرید کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے اور کنواں لوگوں کے لیے وقف کر دیا۔ اس کی خرید کا واقعہ بھی بہت دل چسپ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکمت سے پُر ہے۔ یہ کنواں ایک باغ کے اندر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی نیت و اخلاص کا اقبال دیکھیے کہ اس کنویں سے آج بھی پانی نکل رہا ہے اور باغ کو بھی سیراب کر رہا ہے۔ اس باغ سے سینچے ہوئے درختوں پر مختلف کھجوریں، جن میں چھوٹی اور بڑی اجوہ، ربیعہ، قلمی اور برنی وغیرہ کاشت کی جاتی ہے، پھر ان سے حاصل شدہ آمدنی آج بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم اکاؤنٹ میں جمع کر دی جاتی ہے، جو وقف ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا صدقۂ جاریہ بے مثال ہے، جسے جنت کی بشارت آپ ﷺ کی خوش نودی اور اجر کا تسلسل حاصل ہے۔ ہم بئر تک نہ جا سکے، کیوں کہ باغ میں داخلہ ممنوع ہے اور صرف خصوصی پرمٹ (Permit) کے ذریعے داخل ہوا جا سکتا ہے، لیکن الحمد للہ! ہمیں بئرِ عثمان رضی اللہ عنہ کا پانی پینے کی سعادت حاصل ہو گئی۔ پانی اتنا شیریں اور عمدہ تھا کہ خال خال ہی کسی کنویں میں ہوتا ہو گا۔ سبیل یہ بنی کہ قریب سالم بن عوف کے نام سے موسوم شاہ راہ پر کھجوروں کی دکان ہے، جسے کچھ پاکستانی چلاتے ہیں (معلوم ہوا کہ ان میں نایاب خان آفریدی کراچی میں، میرے گھر کے نزدیک ہی ایک علاقے کے رہائشی ہیں) انھیں باغ میں رسائی حاصل ہے اور وہ اپنی دکان پر بئرِ عثمان کا پانی کولر میں بھر کر رکھتے ہیں، جو وقفِ خاص و عام ہے۔ ان کی دکان پر دیگر کھجوروں کے علاوہ اس باغ کی اتری ہوئی کھجوریں بھی ملتی ہیں، جو ہم نے بہت شوق سے خریدیں۔ ہم نے باغ کا بھی اطراف سے جائزہ لیا، یہ بڑے رقبے پر پھیلا ہوا اور خوب سرسبز و شاداب تھا۔ کھجوروں کے جا بجا درخت اپنی بہار دِکھا رہے تھے۔ صالح نے ایک جگہ اشارہ کر کے باغ کے اندر بئرِ عثمان کی عین لوکیشن دکھائی۔ رسول اللہ ﷺ کے داماد اور مسلمانوں کے اس خلیفۂ راشد کی قسمت پر رشک کرنے اور دل میں بے حساب عقیدت لیے ہوئے، ہم وہاں سے چل دیے۔

مسجد قبلتین:

بئرِ عثمان سے روانہ ہو کر ہم مسجدِ قبلتین پہنچے۔ یہاں بھی مسجدِ قبا کی طرح رش تھا اور جا بجا ٹورسٹ بسیں کھڑی تھیں۔ یہ مسجد سفید رنگ سے مزین ہے۔ ہم مین ہال کے باہر بنے ہوئے ریک کے اندر سینڈل رکھتے ہوئے مسجد کے اندر پہنچ گئے۔ اندر سرخ قالین بچھے ہوئے تھے اور ہال نمازیوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں جگہ بناتا ہوا آگے پہنچا اور نماز پڑھی۔ یہاں بھی میری نظریں امام کے مصلّے کی طرف اٹھنے لگیں، جس کے آگے آڑ لگا دی گئی تھی۔ (حضور ﷺ یہاں نماز پڑھاتے ہوں گے)۔ ہمیں اشتیاق تھا کہ قبلہ اوّل کے آثار دیکھیں، چناں چہ ہمیں دِکھایا گیا کہ مین دروازے کے عین اوپر دیوار میں ایک ماربل کا مصلّی نصب کیا ہوا ہے، جو نشان دہی کر رہا تھا کہ بیت اللہ کے قبلہ مقرر ہونے سے قبل مسجدِ اقصیٰ کی طرف اس رخ پر آپ ﷺ نماز ادا فرماتے تھے کہ دورانِ نماز ہی اللہ کے حکم سے قبلہ تبدیل کیا گیا تھا۔ دونوں قبلے یہاں ایک دوسرے کی مخالف سمت میں ہیں۔ اس واقعے کا ذکر سورۂ بقرہ کے 17 ویں رکوع میں آیا ہے۔ ہم اس مشہور مسجد کی زیارت سے فیض یاب ہو کر باہر آئے۔

غزوۂ خندق اور فتح:

اب ہماری اگلی منزل ارضِ غزوۂ خندق تھی۔ ہم وہاں پہنچے تو جامع الخندق کے نام سے موسوم ایک بڑی سفید رنگ کی خوب صورت مسجد ہمارے سامنے تھی۔ یہاں بھی مسجد قبلتین کی طرح ٹورسٹ بسوں کا رش تھا۔ دائیں بائیں بھی چند قدموں کے فاصلے پر دو چھوٹی اور سادہ سی مساجد بنی ہوئی تھیں۔ یہ مساجد دراصل وہ مورچے تھے، جن میں مختلف جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوۂ خندق کے دنوں میں مورچہ زن تھے، یہاں تک کہ جامع الخندق بھی چھوٹی چھوٹی تین مساجد تھیں، جنھیں ملا کر ایک بڑی مسجد کی شکل دے دی گئی تھی، مگر وہاں اس کی کوئی شناخت ظاہر نہ تھی۔ مسجد کے ایک مقامی خادم سے میں نے پوچھا، مگر اس نے ناواقفیت کا اظہار کر دیا۔ یہی حال میں نے جنت البقیع میں دیکھا تھا کہ کسی بھی بڑی ہستی کی قبر کی لوکیشن دریافت کرنے پر شرطے اور عربی رکھوالے "لا اعلم" کہہ دیا کرتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ اگر ان کو معلوم بھی ہے تو بھی ان کی ڈیوٹی میں انکار نہ کرنا شامل ہے۔

(جاری ہے)

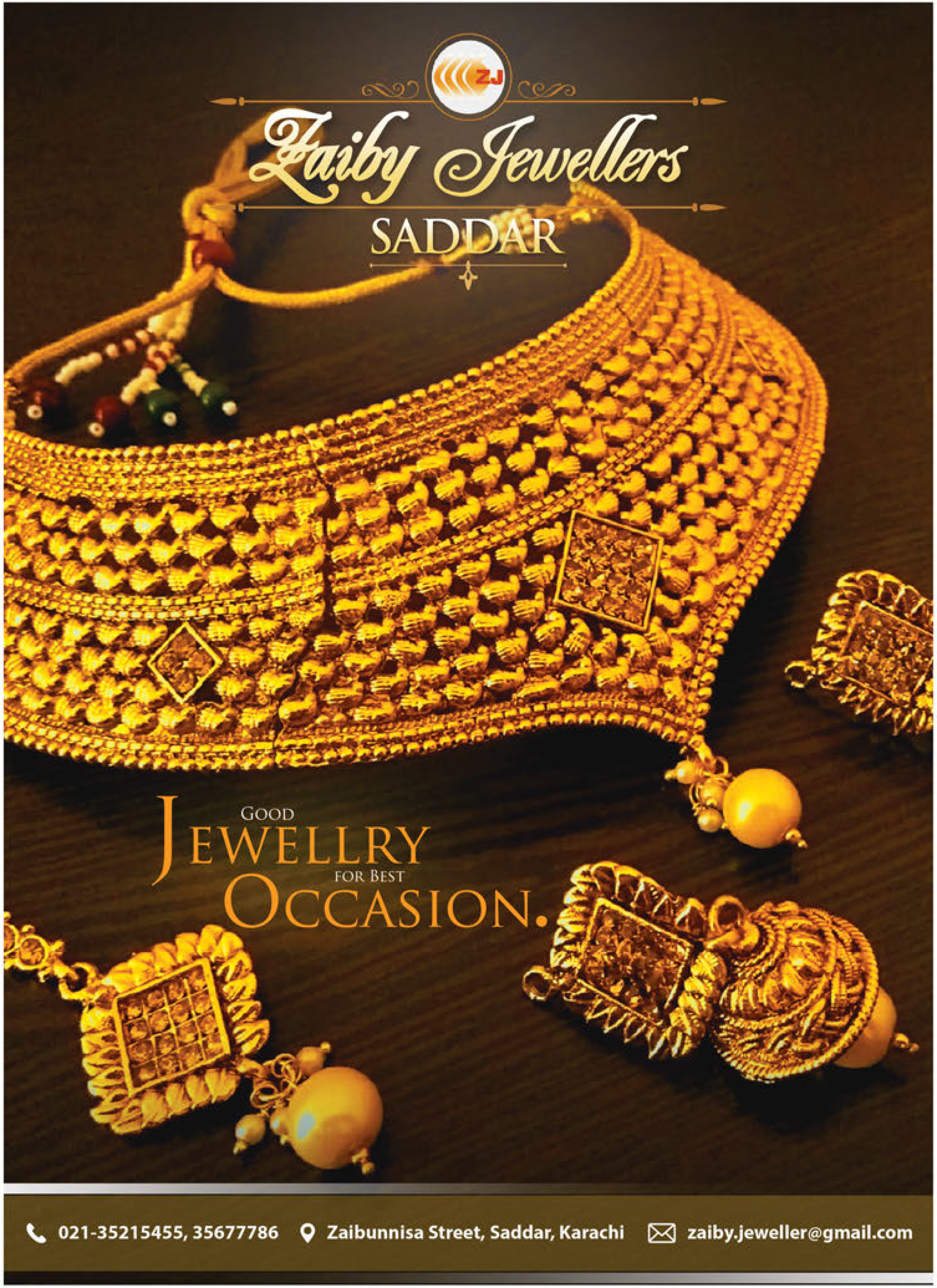

تلاش

ثانیہ ساجد

دوپہر کی تپتی گرمی میں تنہا خالی سڑکوں پر گھومتے گھومتے میں تھک گیا تھا۔ یہ تنہائی 'یہ اکیلا پن ہی تو میرا بہترین ساتھی تھا' جو مجھے چھوڑ کر کبھی نہیں جاتا تھا۔ اپنے اس بہترین دوست کے ساتھ مل کر میں اس کی تلاش میں گم رہتا تھا۔ وہ جس کے بارے میں بچپن سے امی بتا رہی تھی 'جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا' جو ہر جگہ موجود ہے اور جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

جب 8 سال کی عمر میں اسکول کے بڑی جماعت کے طلبہ روزانہ آدھی چھٹی میں میرا لنچ مجھ سے چھین کر کھا جاتے تھے اور میں کچھ نہیں کر پاتا تھا تو میری آنکھیں اسے ڈھونڈتی تھیں جو ہر جگہ موجود ہے پر وہ مجھے کبھی نہیں ملا' نہ اس بڑے نیم کے پیڑ کے پتوں کے جھنڈ میں جس کے سایے میں بیٹھ کر میں بھوک سے روتا تھا' نہ کلاس کی کھڑکی کے باہر جہاں میں بار بار جھانک کر دیکھتا رہتا تھا کہ شاید اب وہ آجائے' لیکن ایسا نہیں ہوا۔

میں نے کئی دفعہ امی سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے' لیکن وہ ہر دفعہ مسکرا دیتی تھیں اور کہتیں "جب بڑے ہو جاؤ گے تب سب سمجھ آجائے گا۔" جب ابا نے مجھے گیراج میں کام پر لگوایا تب مجھے لگا کہ میں بڑا ہو گیا ہوں۔ میں مہینے میں آٹھ ہزار کمانے لگ گیا تھا۔ جب میں رات کو تھکا ہارا گھر پہنچتا تھا تو میری خوب خاطر تواضع ہوتی تھی۔ گرما گرم کھانا مجھے ہاتھ میں ملتا تھا۔ گھر کے بڑے بڑے کام میری اجازت اور رضامندی کے بعد کیے جاتے تھے' یہ سب تو بڑے ہونے کی نشانیاں ہیں نا۔۔۔! ! پھر جب ایک دن گیراج کے مالک نے بنا بتائے چھٹی کرنے پر مجھے لوہے کے اوزار سے مارا تب ایک بار پھر میری تلاش کا لاوا اُبلنے لگا۔ ایک چھٹی کی اتنی کڑی سزا۔۔۔! ! میرے جسم کا پرزہ پرزہ تکلیف سے چھلک رہا تھا۔ درد میرے اندر رچ بس گیا تھا۔ اس درد کے عالم میں بستر پر پڑے اسے ڈھونڈتا رہا جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ جب وہ اپنے بندوں کو گناہوں اور نافرمانیوں پر درگزر کرتا رہتا ہے تو پھر یہ مٹی سے بنے انسان کیسے اتنی سخت سزا دینے کا اختیار جھپٹ بیٹھے ہیں۔ میں نے رات کے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے ڈھونڈا کہ شاید دن کی روشنی میں لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہونا اس کے شایانِ شان نہیں' لیکن وہ کہیں سے بھی نہیں اُبھرا۔ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا' لیکن میری تلاش سدا کی ادھوری اور نامکمل ہی رہی۔

اس بار اس کے نہ ملنے پر میں نے امی سے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ میں ابھی تک ٹھیک سے بڑا نہیں ہوا ہوں۔

زندگی مصروف سے مصروف تر ہوتی جا رہی تھی۔ گھر میں میری شادی کے متعلق چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں۔ میرے دل میں بھی لڈو پھوٹ رہے تھے' جب امی نے میری رضامندی کے متعلق دریافت کیا تو چاہ کر بھی اتنی بے باکی پیدا نہیں کر سکا کہ جھٹ سے ہاں بول دیتا۔ بس جیسے آپ کی مرضی کہہ کر چل دیا۔ ابھی بات چل ہی رہی تھی کہ میں نے خوابوں کا محل بنانا شروع کر دیا۔ کام یاب شادی شدہ زندگی' چھوٹے چھوٹے پھولوں جیسے بچے' چھوٹا سا خوب صورت سا گھر اور پیاری سی عینک والی بیوی سمیت دنیا کی ہر خوشی شامل تھی میرے خوابوں میں۔ اچانک فون کی گھنٹی نے مجھے جھنجھلا کر رکھ دیا۔ زنانہ آواز نے تو مجھے اور بھی حیران کر دیا۔

"جی میں بشریٰ۔" "مطلب خوش خبری' میں سمجھ گیا کہ مجھے دنیا میں بس ایک ہی خاتون فون کر سکتی ہے' میرے خوابوں کی ملکہ۔۔۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے" اس کی آواز میں موجود ٹینشن مجھے صاف سنائی دے رہی تھی' پتا نہیں آسانی سے یا مشکل سے۔ لیکن وہ مجھے یہ بات سمجھانے میں مکمل کام یاب ہو گئی تھی کہ وہ کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہے اور جگ ہنسائی سے بچنے بقیہ ص نمبر 13 پر

وہ آواز

ندا اختر

اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا

اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ

میں ٹوٹے ہوئے دِلوں میں اپنا گھر بناتا ہوں۔

آہ! ! جب دِل ٹوٹتا ہے تو عجیب و غریب آوازیں آتی ہیں' جن سے نکلنے والے الفاظ ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور جملے رنجیدہ ہوتے ہیں' الم ان سے ٹپکتا اور اُداسی ان سے جھلکتی ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوہِ طور کی ظاہری سطح پر اللہ کی تجلی حمدیت نازل ہوئی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا' تاکہ میرے اندر بھی اللہ کی تجلی آجائے۔ اگر یہ ثابت رہتا اور نہ ٹوٹتا تو پھر یہ تجلی اوپر اوپر رہتی' اندر داخل نہ ہوتی۔ پس اسی طرح جو دِل ٹوٹ کر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ قُرب کی تجلی ان کے ذرے ذرے میں سما جاتی ہے۔ پس آج اس کا دِل بھی ایک زخمی دِل بن کر بکھر چکا تھا۔ رات کے آخری پہر وہ اپنے رب سے کیا کہہ رہی تھی' جب اس کے دِل کے ذرات پر قرب کی تجلیات کی بارش ہونے لگی تو اپنی بے کسی کی داستان وہ یوں سنانے لگی:

اللہ ھو ربی یارب! یارب! تجھ سے بات کر کے دِل کبھی نہیں بھرتا۔ میری بے چینیاں مجھے تیری جانب پھیرتی ہیں' جو در حقیقت تیری جانب سے ہی ہیں۔ میرے اُجڑے اداس موسم کی صدائیں تجھ ہی سے منسلک رہتی ہیں' جن کی کسک میں چھپی بے بسی تو ہی پہچانتا ہے۔ تیرے سوا میں کسی سے دِل کی ٹوٹی ہوئی کرچیوں کا تذکرہ نہیں کر پاتی' کیوں کہ میں جانتی ہوں کہ میں تیرے ماسوا سے اس درد کو بیان نہیں کر پاؤں گی' جو میری دھڑکنوں میں ترنم کی طرح بہ رہا ہے۔ نہ کوئی مجھ کو سمجھ سکے گا زندگی بھر اور نہ کوئی میرے بے بس لفظوں کی قیمت لگا سکے گا۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا اس وقت' جب تیرے پاس آتی ہوں۔ پھر یہ وہ لمحہ ہوتا ہے کہ اپنے ہاتھ اٹھ کر دِل کو خاموش کھڑا کر دیتی ہوں اور وہ آواز جو خاموش کرا دینے کے بعد بھی خاموش نہیں ہوتی' اس آواز کا پھر تیرے سوا کوئی سننے والا نہیں ہوتا۔ وہ آواز میری بے بسی کی ترجمانی' وہ آواز میرے بے کسی کی رو نما آواز' وہ آواز میرے لفظوں کی ہم نوا آواز۔ وہ آواز۔۔۔ میری گونجتی لرزتی آواز' وہ آواز۔۔۔ میری صداؤں کی پناہ گاہ آواز' وہ آواز۔۔۔ جو تجھ کو پکارے' وہ آواز۔۔۔ جو تیری آرزو کے سوا کچھ نہ چاہے' وہ درد میں سسکتی' سلگتی' تڑپتی' تڑپاتی آواز۔ آہ! کہ وہ اِک دِل خراش آواز جو بدل دے میری تقدیر کو' وہ آواز۔۔۔ جو چیر کر آسمان کو سجدہ ریز ہو عرش پر' وہ آواز کہ جسے سن کر تو لبیک کہے' وہ آواز۔۔۔ بے قرار مجبور آواز' وہ اِک آواز کہ جس کے حرف حرف سے تیری جستجو اور تیری تمنا چھلکے' وہ آواز۔۔۔ جو منفرد ہو دیگر آوازوں سے۔ وہ آواز جو محفل میں تنہا اور تنہائی میں ہم نصیب ہو۔

وہ آواز جس کا مشتاق ہو تو' وہ آواز جس کا تیرے سوا کوئی آسرا نہ ہو' وہ آواز جس کا وجود سراپا بکھر چکا ہو' وہ آواز جسے مضبوطی سے کوئی واسطہ نہ ہو' وہ آواز لاچار اور مضطرب آواز' وہ آواز جسے تیرے سوا سے سروکار نہ ہو' وہ آواز جس کی گونج گونج میں تیری التجا ہو' وہ آواز جو لمحہ لمحہ تجھ کو پکار کر کہتی ہو: یارب! یارب! میرے حال پر رحم فرما!

اور وہ آواز جو کہتی ہے کہ میرے پاس تیرے سوا کوئی نہیں۔ آہ! کہ وہ اِک آہ بھری آواز' جو غموں کی بھٹی میں جلنے لگتی ہے' اللہ اللہ اللہ پکارتی صدائیں بلند کرتی آواز' وہ آواز جس کی تپش سے اٹھنے والے دھوئیں میں زخموں کی مہک ہے۔ آہ! کہ وہ مخمور آواز' وہ دِل گُداز آواز' وہ مغموم آواز۔

آہ کہ موسم بہار کی وہ مسرور آواز اب خزاں کے پانچ درختوں میں بدل چکی ہے۔ آہ! کہ اب وہ آواز نئی نئی کلیوں کی طرح چٹختی آواز کہیں کھو چکی ہے۔ غموں کے صدقے نیلام ہو چکی ہے۔ ٹوٹے ہوئے پتوں کی طرح شاخ سے جھڑتی اور جامِ الفت سے چھلکتی آواز کہاں کھو چکی ہے؟؟

آہ کہ کبھی اس سے پھول جھڑتے تھے' کبھی موتی کی طرح لفظ اس کے چمکتے تھے' شوخ چنچل سی چہکتی آواز کہاں کھو چکی ہے۔ تلاش جاری ہے اس آواز کی۔

وہ آواز اپنوں پرایوں سے محبت کی سوالی آواز' وہ اِک معصوم سے میٹھی آواز' بنجر زمین میں بدل چکی ہے۔ بے رنگ لفظوں میں ڈھل چکی ہے۔ وہ آواز جس نے ہر محبت کی دغا اور مہر و وفا کی جفا دیکھ لی تو لوٹ آئی اپنے پیدا کرنے والے کی طرف۔ آہ کہ وہ اِک آواز ہانپتی' کانپتی' پیاسی آواز۔۔۔

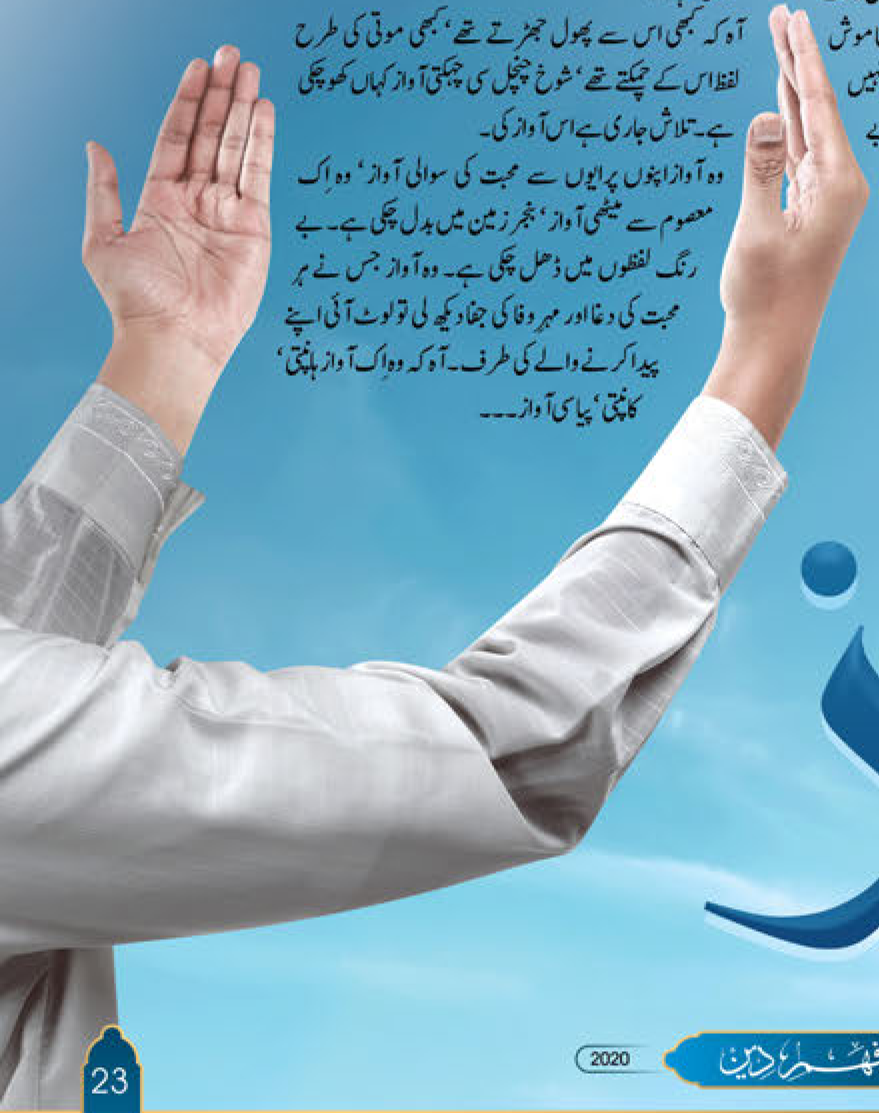

"ہی ہی ہی۔۔۔وہ دیکھو حور آرہی ہے۔" نیہا نے تمسخرانہ انداز میں اشارہ کیا
"بھئی راستہ صاف کرو بلکہ میں تو کہتی ہوں 'پھولوں کی سیج سجاؤ۔" وردہ کہاں پیچھے رہنے والی تھی 'طنز کرنے میں۔
اپنی ہم جماعتوں کے استہزا اور تمسخر سے حور کی آنکھیں جھلملا گئیں 'مگر وہ کچھ نہ بولی' دل ہی دل میں وہ رب سے شکوہ کناں تھی کہ اسے کیوں کالا رنگ دیا گیا؟ تھوڑا سا گندمی مائل رنگ ہی مل جاتا 'تو کیا چلا جاتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟۔۔۔

جماعت میں ٹیسٹ ہو رہا تھا 'ہر لڑکی ریاضی کے ٹیسٹ میں اچھے نمبر لینا چاہتی تھی' مگر جب نتیجہ آیا تو حور نے سب سے اچھے نمبر لیے تھے۔ مس خدیجہ سے حور کو خوب شاباش ملی۔
"ہوں!! بڑی آئی مس کی چہیتی طالبہ۔۔۔ شکل نہ صورت اور بنی پھرتی ہے بہترین طالبہ" وردہ نے حاسدانہ انداز سے کہا
حور بانو اچھے اخلاق اور نفیس طبیعت کی مالک لڑکی تھی 'آٹھویں جماعت کی اچھی طالبات میں اس کا شمار ہوتا تھا 'مگر اس کا رنگ بے حد کالا تھا اور نام تھا "حور بانو" نام اور رنگ میں کوئی بھی جوڑ نہ تھا۔ اسی وجہ سے حور کچھ زیادہ ہی تنقید اور مذاق کا نشانہ بنتی۔ جب بھی کوئی نیا اس سے ملتا 'اس کا نام سن کر طنزیہ ہنسی ضرور ہنستا 'کہ نام رکھنے والے نے شکل نہیں دیکھی تھی کیا! ابتدائی عمر میں تو حور کو اس کی سمجھ نہ تھی 'مگر جیسے جیسے شعور آتا گیا 'حور اپنے نام اور رنگ کی ضد کو شدت سے محسوس کرنے لگی آخر کار ایک دن اس نے اپنی امی سے سوال کر ہی ڈالا: "امی آخر میرا یہ نام کس نے رکھا تھا؟ اور کیا سوچ کے رکھا تھا؟" حور کی امی اس کے سوال سن کر دنگ رہ گئیں۔ وہ سوالوں سے زیادہ حور کے دکھ بھرے لہجے کو محسوس کر کے پریشان ہوئیں۔ وہ بیٹی کی دل آزاری بھی نہیں چاہتی تھیں اور اسے رنگ 'روپ کے عارضی ہونے کی بہتر دلیل دے کر قائل کرنا چاہتی تھیں۔

"گڑیا! یہ نام میری اور تمہارے والد کی مشترکہ پسند تھی۔ تمہاری آمد سے پہلے ہی ہم نے یہ نام سوچ رکھا تھا کہ اگر بیٹی ہوئی تو وہ ہمارے لیے جنت کی خوش خبری ہوگی اور دنیا میں رحمت تو ہم اس کا نام "حور بانو" رکھیں گے اور پھر تمہاری آمد نے ہماری خواہش پوری کر دی"۔ امی طمانیت سے بولیں۔
"مگر امی! کم از کم آپ لوگ میری رنگت پر تو غور کرتے 'اب یہی نام جو میری رنگت سے بالکل میل نہیں کھا رہا 'کتنی اذیت کا باعث بن گیا ہے؟" حور روہانسی ہو کر بولی۔
"دیکھو حور! والدین کے لیے ان کی اولاد خوب صورت ہی ہوتی ہے 'چاہے وہ کتنی بھی کالی کیوں نہ ہو 'بلکہ بگڑی شکل والا اور معذور بچہ بھی ماں باپ کے لیے بہت قیمتی ہوتا ہے 'وہ اسے اپنے سینے سے چمٹا کر رکھتے ہیں 'حالاں کہ دوسرے لوگ ان کو کسی بھی نگاہ سے دیکھیں لیکن ماں باپ کو اپنی اولاد ہی سب سے زیادہ پیاری لگتی ہے۔" امی نے جھلملاتی آنکھوں سے حور کو دیکھا۔
"مگر امی۔۔۔۔!"
"حور میری ایک بات یاد رکھو 'رنگ اور روپ کی چمک عارضی ہے 'جلد ہی مرجھا جانے والی 'اصل چمک اچھے کردار اور اخلاق کی ہے۔ اس پر محنت کرو 'ان غیر ضروری باتوں کو سوچو گی 'تو وقت ضائع ہوگا۔ اچھا اخلاق اور کردار ہمیشہ یاد رکھا جاتا ہے 'اور دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی کا ضامن بھی ہے۔" امی نے حور کو سوچ کا ایک نیا رخ دینے کی کوشش کی۔ جس پر حور صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ اس کی سوئی تو ابھی بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

◆◆◆

"پیاری طالبات! آج کا ہمارا سبق بہت اہم ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس میں عمدہ باتوں کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے اور اگر ہم ان باتوں پر عمل کر لیں تو یقیناً ہم کامیاب ہو جائیں گے۔" اسلامیات کی استانی نے سبق پڑھانے سے پہلے تمہید

حور بانو

اہلیہ محمد فیصل

Your Friend In Real Estate

جُنید امِین

الحمدللہ پورے اطمینان اور بھروسے کے ساتھ
بحریہ ٹاؤن، ڈی ۔ایچ ۔اے سٹی اور ڈیفنس کراچی میں
محفوظ اور منافع بخش سرمایہ کاری۔
معلومات اور مشورے کے لیے
جُنید امِین

BAHRIA TOWN
PAKISTAN DEFENCE OFFICERS HOUSING AUTHORITY
HOME FOR DEFENDERS
DHA CITY

نزد مسجد بیت السلام، خیابان جامی، فیز 4، ڈیفنس، کراچی
021-35313254 - 0300-9213373 junaidameen@live.com

باندھی تاکہ تمام طالبات ہمہ تن گوش ہو جائیں۔ ''جی! ہمارا موضوع ہے "حجۃ الوداع کا خطبہ" جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو بتایا ہے کہ "آج کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔"

''عزیز طالبات! اللہ رب العزت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تقویٰ بہت اہم چیز ہے۔ سوال یہ ہے کہ تقویٰ کہتے کسے ہیں؟ ہر اس کام سے بچنا جس سے اللہ اور اس کا رسول ناراض ہو اور ہر اس کام کو کرنا جسے اللہ اور رسول پسند کرتے ہیں تقویٰ ہے۔ یعنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں گوری رنگت کی کوئی اہمیت نہیں' اہمیت ہے تو کس چیز کی؟'' مس نے کلاس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''تقویٰ کی'' پوری جماعت نے بیک وقت کہا تھا۔

اسلامیات کی استانی کا یہی دل نشیں انداز پوری جماعت کو پسند تھا کہ وہ ہر سبق وضاحت کے ساتھ منفرد انداز سے سمجھاتیں۔ ''ہاں تو طالبات! اسی تقویٰ کی اہم اور مشہور مثال حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ ایک کالے بھجنگ حبشی غلام تھے' کفارِ مکہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے' کالے رنگ کی وجہ سے ان کا مذاق اڑایا جاتا اور مختلف برے القابات سے پکارا جاتا تھا مگر جب انہوں نے ایک اللہ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لیا صرف اور صرف ان کی پسند کو اپنا لیا' تو پھر آسمان دنیا نے دیکھا کہ کیسی عزت و مرتبہ اس تقویٰ کی بدولت نصیب ہوا' مسجد نبوی کے پہلے مؤذن کہلائے' جنت کے بالاخانوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قدموں کی چاپ سنی آپ صلی اللہ علیہ وعلی وسلم کے خادم خاص کا مرتبہ ملا۔ اسی لیے پیاری طالبات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں پہلی بات یہی بتائی کہ اللہ رب العزت رنگ روپ حسب ونسب دولت وقدرت عہدہ ومرتبہ کو نہیں دیکھتے۔ وہ کس چیز کو دیکھیں گے؟''

''تقویٰ'' پوری جماعت جوش سے بولی۔

''اب کون کون تقویٰ اختیار کرنے کا وعدہ کرتا ہے؟'' استانی صاحبہ نے استفہامی نگاہ دوڑائی۔ تمام طالبات نے اپنے اپنے ہاتھ بلند کیے جب کہ حور باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

''ارے حور کیا ہوا؟'' استانی جی پریشانی سے بولیں۔

''مس! میں واقعی غلط تھی امی ٹھیک کہتی ہیں' اپنے اخلاق اور کردار کو بلند کرو' دنیا وآخرت میں فلاح پاؤ گی۔'' حور سسکتے ہوئے بولی۔

''ہاں حور! اخلاق اور کردار تقویٰ کے ہی مترادف ہیں۔'' مس نے تائید کی۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ مس کو عقب سے دوبارہ ہچکیوں کی آواز آئی۔ اب رونے والیاں نیہا اور وردہ تھیں۔ جو حور کا مذاق اڑانے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھیں۔ ''حور ہمیں معاف کر دو۔'' دونوں ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں۔ حور بانو نے آگے بڑھ کر دونوں کے ہاتھ نیچے کیے اور انہیں گلے لگا لیا۔ ساری کلاس ''ماشاء اللہ سبحان اللہ'' کہنے لگی۔ جب کہ اسلامیات کی مس تشکرانہ انداز میں اوپر کی جانب دیکھنے لگی گویا محنت پار لگ جانے پر رب کی شکر گزار ہوں۔

چیل نے پہلے تو درخت کے اوپر ایک سے دو بار چکر لگائے' تاکہ کوے بھاگ جائیں' پھر نیچے آکر اپنی چونچ سے ایک دو کوؤں کو اپنے پنجوں سے زخمی کیا۔ یوں آہستہ آہستہ سارے کوے اُڑ گئے اور چیل بھی شکریہ کے الفاظ وصول کرتے ہوئے واپس چلی گئی۔

ننھا چڑا درخت کے پاس ٹوٹی ہوئی سوکھی ٹہنی کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ چڑیا نے چوں چوں کی تو ننھا چڑا سمجھ گیا کہ اس کی ماں لینے آگئی ہے۔ ننھے چڑے نے اپنے پَر پھیلائے اور نیچے سے اوپر اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا۔ چڑیا بی نے اپنے خوف زدہ بچے کو خوب پیار کیا اور خوش بھی ہوئی کہ وہ اُڑ کر خود اس کے پاس آیا ہے۔ اس طرح کئی ہفتے گزر گئے موسمِ بہار شروع ہو چکا تھا۔ سورج بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔

ایک دن پرندوں میں اُڑان کا مقابلہ تھا' اس مقابلے میں ننھے چڑے نے بھی شرکت کی تھی۔ چڑیا بی خاموش تھی' وہ جانتی تھی کہ ننھا چڑا کم زوری کی وجہ سے مقابلہ ہار جائے گا' مگر پھر بھی وہ اس کی جیت کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی کہ کاش! اس کا بچہ مقابلہ جیت جائے۔ پرواز کا اعلان ہونے لگا تھا۔ سینیئر طوطوں نے تمام بچوں کو ایک درخت پر جمع کیا اور ٹیں ٹیں کر کے ایک دو تین کہا۔ تمام بچوں نے اُڑان بھری۔ بچے ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے بڑھتے گئے' مگر سب کے لیے ایک حیران کن بات یہ ہوئی کہ سب سے آگے آگے ننھا چڑا تھا۔ آج سب کو کم زور نظر آنے والا ننھا چڑا اُڑتے ہوئے ہوا سے باتیں کرتا لگ رہا تھا۔ آخر کار...! باؤنڈری لائن کو سب سے پہلے ننھے چڑے نے پار کیا۔ ننھا چڑا مقابلہ جیت گیا تھا۔ تالیوں اور شور کے ساتھ سب پرندے چڑیا بی کو مبارک باد دینے لگے اور چڑیا بھی فرطِ مسرّت سے پَر پھیلائے اپنے بچے کو پیار کر رہی تھی۔

آج چڑیا بی کو اپنے ناتواں اور کم زور سے بچے پر فخر محسوس ہو رہا تھا' جس کے حوصلے اب بلند ہو چکے تھے۔ ننھا چڑا اب بہادر ہو چکا تھا' وہ زمانے کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

بلندی...اونچائی	خوف...ڈر	نرم گوشہ...اچھا احساس
مطمئن...پُرسکون	اداس...مایوس	ناتواں...کم زور
فرطِ مسرّت...خوشی سے بھرپور	فخر...ناز	

ہجرت

بنتِ گوہر

قسط نمبر 14

''امی جان!! ہم نے آج رات ایک دوست کی منگنی پر جانا ہے۔ اجازت ہے؟'' سارہ نے ادب سے پوچھا۔ ''ہاں بھئی! چلے جانا۔ میں روکنے والی کون ہوتی ہوں؟'' امی کا موڈ خراب تھا۔

''کیا ہوا امی! ٹھیک تو ہیں؟ کوئی پریشانی تو نہیں؟'' سارہ نے پیار سے پوچھا۔

''نہیں! تم جاؤ۔'' انہوں نے رعب سے کہا۔

''میں تو اپنی امی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا رہی۔'' سارہ نے ساس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ یوں ہی بیٹھے رہے' باتیں کرتے رہے' لیکن سارہ کے لاکھ پوچھنے کے باوجود امی نے پریشانی کی وجہ نہیں بتائی۔

''سارہ! سارہ! چلنا نہیں ہے کیا...؟؟ شام ہو گئی ہے۔'' یہ بلال تھا۔

''نہیں! میرا موڈ نہیں ہے۔''

''واقعی!؟'' بلال بڑا حیران ہوا۔ ''صبح تک تو بہت خوش تھی۔'' ''نہیں' بیٹا...! آپ لوگوں کو جانا چاہیے۔'' سارہ کی ساس کو بے اختیار سارہ پر پیار آیا۔ (یہ بہوئیں ساسوں سے دور رہتی ہیں۔ اگر وہ انھیں سچے دل سے ''ماں'' مان لیں تو وہ کیوں کر انھیں تنگ کریں گی۔)

''اچھا' امی! کھانے کا بتا دیں۔ میں تیار کر دوں۔'' سارہ بولی۔

''نہیں! آپ لوگ جائیں۔ میں خود دیکھ لوں گی۔''

لیکن اب کی بار سارہ نے ان کی ایک نہ سنی۔ کچن میں گھس گئی اور پہلے سالن تیار کیا پھر روٹیاں بنائیں۔ الماری سے دو جوڑے نکالے اور بلال سے پوچھا: ''سنیں! آپ نے کون سے پہننے ہیں؟'' کپڑے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔

''جو آپ نکال دیں۔'' بلال پیار بھرے انداز میں بولا۔

''پھر بعد میں نہ کہیے گا کہ یہ پہن کر میرے حسن میں کمی آگئی۔'' سارہ نے اس کی نقل اتاری۔ بلال کپڑوں کے بارے میں بہت احساس تھا' یہ وہ اچھے طریقے سے جانتی تھی۔ ''اچھا 'نا... یہ والا ٹھیک ہے۔'' بلال نے بلیک والا سلیکٹ کیا۔

اب وہ دونوں امی ابو کو الوداع کر گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔

''سنیں بلال! مجھے لگتا ہے امی کسی بات پر پریشان ہیں۔ آپ کو کچھ آئیڈیا ہے؟'' سارہ نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''نہیں!'' بلال نے سارہ کو دیکھتے ہوئے حیرانی ظاہر کی۔

باتیں کرتے کرتے ہال آگیا۔ یہ ان کے گھر سے تقریباً 02 منٹ کی ڈرائیو پر تھا' وہ لوگ اندر داخل ہونے لگے۔ ''جدائی کا وقت آگیا...!!'' بلال نے مردوں کے پورشن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ سارہ مسکرا کر چلی گئی۔ اندر روشنیوں کا سماں تھا۔ امبر' جس کی منگنی تھی' وہ اسٹیج پر براجمان تھی۔ وہ سارہ کی کالج فرینڈ تھی۔ ''السلام علیکم!'' سارہ نے کہا۔

امبر نے بس مسکرانے پر اکتفا کیا۔ سارہ نے ماحول کا جائزہ لیا امبر کے پاس اور لڑکیاں بھی بیٹھی تھیں' (دو تین کزنیں) جن میں سے ایک دو کو اس نے پہچان بھی لیا تھا۔

''السلام علیکم! صبا کیسی ہو؟'' سارہ صبا سے گلے ملی۔ ''وعلیکم السلام! تمہیں شادی مبارک ہو۔ سوری' میں نہیں آسکی۔'' مسکراتے ہوئے عذر پیش کیا۔

''کوئی بات نہیں۔''

''صفا کیسی ہے؟'' صبا' صفا سے رابطے میں تھی۔ ''ٹھیک ہے وہ بھی۔''

کالج کا ذکر کرتے وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔ اب دولہا والوں کی فیملی آ رہی تھی۔ رسمیں شروع ہونے لگی تھیں۔ دولہا بھی آیا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے اسٹیج پر سے اتر گئیں۔

تھوڑی دیر بعد سارہ اور صبا' امبر کی امی کے پاس موجود تھیں۔ بر قع پہنے بارعب سی امبر کی امی مسکرا رہی تھیں۔ ''مبارک ہو آنٹی!! لیکن آنٹی ایک بات مجھے اچھی نہیں لگی۔ امبر پردہ کرتی ہے' پھر لڑکے وغیرہ کیوں آرہے ہیں اندر؟'' سارہ نے پوچھا۔

''بیٹا! شادیوں پر تو چلتا ہے۔'' انھوں نے سارہ کی بات کاٹی۔

امبر ابھی بھی اسٹیج کے لک میں بیٹھی تھی اور دولہا جا چکا تھا۔

''امبر پیاری لگ رہی ہو۔'' صبا نے تعریف کی۔ ''تھینکس۔'' اب کے امبر بولی۔ ''امبر! آخر دولہا بھائی نے تمہارا نمبر نکلوا ہی لیا آنٹی سے۔'' امبر کی کزن بولی۔

سارہ کو بڑا شاک لگا۔ پردہ دار گھرانے میں ایسا ہو رہا تھا۔ سارہ کو حیرانی ہوئی۔

''امبر! تم ان سے بات کرو گی؟'' سارہ نے اکیلے میں اُس وقت کہا' جب اِس نے امبر کی کزنوں کو کھانا ڈالنے بھیجا تھا۔ صبا بھی وہاں نہیں تھی۔

''ہاں! ظاہر ہے... شادی ہونے والی ہے ہماری۔''

''کیا منگیتر محرم ہوتا ہے...؟'' سارہ نے پوچھا۔

''مجھے بس اتنا دکھ ہے' اگر وہ ناراض ہو گئے تو؟'' امبر نے وجہ پیش کی۔

''اور اگر اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے؟' سارہ نے الٹا سوال کیا۔

ابھی بس اتنی ہی بات ہوئی تھی کہ بلال دور سے نظر آگیا۔ سارہ نے امبر کو دعا دی اور چل دی۔

''واہ...!! میری بیگم تو ایک اشارے پر آگئی۔'' بلال نے سارہ کو چھیڑا۔

''بس! کبھی غرور نہیں کیا۔'' سارہ نے تعریف وصولی تو بلال مسکرا دیا۔ (جاری ہے)

بول کہانی

چڑیا کی چوں چوں

بہادر ننھا چڑا

ڈاکٹر الماس روحی

کئی دنوں سے چڑیا بی بہت پریشان تھی' اسے ایک ہی فکر لاحق تھی۔ ننھا چڑا اتنا ناتواں اور کم زور کیوں ہے؟ حالاں کہ چڑیا بی نے اپنے دونوں بچوں کو برابر خوراک دی تھی۔ گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں' بھوک اور پیاس سے نڈھال' وہ چوں چوں کرتی اُڑاُڑ کر جاتی اور اپنے ننھے منے بچوں کے لیے دانہ چگ کر لاتی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے' جب ان کے بچوں کے پَر نہیں نکلے تھے۔ یہ بچے آنکھیں موندے اپنے گھونسلے میں رہتے تھے۔ چڑیا بی کے پَروں کی پھڑ پھڑاہٹ سے وہ بچے سمجھ جاتے کہ ان کی ماں آگئی ہے۔ وہ ایک دوسرے پر چڑھتے اور اپنی چونچیں کھول دیتے' لیکن چڑیا بی ہر بار' باری باری بچوں کے منہ میں ڈالتی' کیوں کہ چڑیا بی تو ماں تھی اور ماں کے لیے دونوں بچے برابر تھے' مگر یہ کیا...؟؟ ایک بچے کے پَر تیزی سے نکل رہے تھے' وہ شوخ و شریر بھی تھا' کھیلنے بھی لگا تھا' آوازیں بھی نکالتا تھا' چوں چوں کر کے شور بھی مچائے رکھتا تھا' اِٹھلاتا' اِتراتا' ضد بھی کرتا تھا۔ چڑیا باری باری دونوں بچوں کو سمجھا کر جاتی۔

''چوں چوں چوں' دیکھو بچو! اپنے گھر سے باہر مت نکلنا۔ باہر خطرہ ہوتا ہے۔'' چڑیا بی کو اصل میں کوّوں سے بڑا خوف آتا تھا کہ کہیں اس کے بچوں کو کوئی کوّا نہ لے اُڑے' اس لیے وہ جلد از جلد اپنے بچوں کو بڑا ہوتا دیکھنا چاہتی تھی۔ چڑیا بی اپنے ایک بچے کی جسمانی نشوونما سے مطمئن تھی' مگر ایک ننھے چِڑے کی خاموش طبیعت اور کم زوری سے وہ بہت پریشان تھی۔

اس درخت پر مینا' فاختہ' طوطے اور کبوتر سب ہی کا بسیرا تھا۔ چڑیا بی کی ان سب سے دوستی تھی۔ سورج ڈھلے شام کو پرندے اپنے اپنے گھونسلوں کی طرف رُخ کرتے تو لوٹتے ہوئے چڑیا سب سے سلام دعا کرتی اور صبح سویرے جب جاگتے اور رزق کی تلاش میں نکلنے کے لیے پر تول رہے ہوتے' تب بھی چڑیا کی ان سے ملاقات ہوتی۔ چڑیا کے اچھے اخلاق اور ملنساری نے سب ہی کے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا۔ سب چڑیا بی کا خیال رکھتے تھے اور اس کی خیریت دریافت کرتے رہتے تھے۔ چڑیا کبھی کبھی گھونسلے سے باہر بچوں کو لے آتی۔ پہلے تو ننھا چِڑا منع کر دیتا تو چڑیا بی اس سے کہتی: ''چوں چوں چوں... بیٹا! تم دنیا کو کیسے دیکھو گے؟ اس طرح تو فطرت کے خلاف زندگی گزارو گے؟ اللہ نے تمھیں پَر دیے ہیں اور پَر اُڑنے کے لیے ہوتے ہیں۔ میں تمھیں اُڑتا دیکھنا چاہتی ہوں۔''

یوں وہ بڑی مشکل سے اپنے گھونسلے سے باہر آتا۔ چڑیا بی اپنے بچوں سے کہتی: ''چوں چوں چوں... دیکھو بچو! ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر ہم کیسے جاتے ہیں۔'' وہ اپنے پَر پھیلاتی' تھوڑا سا اُڑتی اور دوسری ٹہنی پر پہنچ جاتی۔ ایک بچہ تو اسی طرح اپنے پَر پھیلاتا اور ہلکی پرواز کے بعد اپنی ماں کے پاس پہنچ جاتا' مگر ننھا چِڑا ذرا سا بھی ٹس سے مس نہ ہوتا' تب چڑیا بی دوبارہ اسے سمجھاتی: ''چوں چوں چوں... دیکھو بیٹا! جب تم ان پَروں سے اُڑو گے اور آسمان کی بلندیوں کی طرف جاؤ گے تو دنیا تمھیں کتنی حسین نظر آئے گی۔ زمین تو آسمان کو حسرت سے دیکھتی ہے اور زمین پر رہنے والے انسان بھی اس فلک کو رشک سے دیکھتے ہیں۔ تمھیں پتا ہے...!! انسان بھی اُڑنا چاہتا ہے... چوں کہ اللہ نے اُنھیں پَر نہیں دیے تو انھوں نے ہوائی جہاز بنا لیے ہیں۔ تم اللہ کی نعمت کا ناشکرا پن کر رہے ہو۔ پَر ہوتے ہوئے بھی نہیں اُڑنا چاہتے...!!'' چڑیا کا بڑا بچہ بھی اپنی ماں کی باتوں کو غور سے سن رہا تھا۔ ابھی چڑیا بی ننھے چِڑے کو سمجھا ہی رہی تھی کہ چڑیا بی کی سہیلی ''بی فاختہ'' اپنے بچوں کے ہم راہ آ گئیں۔ بی فاختہ نے چڑیا بی کے بچوں کو جو دیکھا تو تعریف کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

''تیں تیں تیں... تمھارے بچے تو بہت خوب صورت اور معصوم ہیں۔'' چڑیا بی خوش ہو کر پَر ہلانے لگیں۔

''شکریہ! تمھارے بچے بھی بہت پیارے ہیں۔'' چڑیا بی نے اپنی دوست فاختہ کے بچوں کو پیار سے دیکھا تو بی فاختہ ہنسنے لگی۔

''لو...! تم نے تو حساب ہی برابر کر دیا۔'' بی فاختہ کی بات سن کر چڑیا بی کو بھی ہنسی آگئی' پھر اچانک چڑیا بی ننھے چِڑے کو دیکھ کر اُداس ہو گئی۔

''کیا ہوا؟؟ تم اداس کیوں ہو گئیں۔'' بی فاختہ نے چڑیا بی کی اداسی کو بھانپتے ہوئے پوچھا۔

''چوں چوں چوں... میں اپنے ننھے چِڑے کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ نہ کھاتا ہے' نہ پیتا ہے' نہ اُڑنے کا شوق ہے اور نہ کھیلنے کودنے کا۔ آخر اس کا کیا ہوگا؟'' چڑیا بی نے اپنی اداسی کی وجہ بیان کر دی۔ بی فاختہ نے ننھے چِڑے کی طرف دیکھا۔

''تم پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بعض بچے ذرا دیر میں سیکھتے ہیں۔ یہ بھی سیکھ لے گا۔'' بی فاختہ نے دلاسا دیا۔

''چوں چوں چوں... مگر کیسے؟'' چڑیا بی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''ایسا کرتے ہیں' کل سے تم میرے بچوں کو پرواز سکھاؤ اور میں تمھارے بچوں کو۔'' بی فاختہ نے ایک تجویز پیش کی۔

''چوں چوں چوں... ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔'' چڑیا تجویز سن کر خوش ہو گئی۔

دوسرے روز چڑیا' بی فاختہ کے بچوں کو پَرواز سکھانے چلی گئی اور بی فاختہ' چڑیا کے بچوں کے پاس آئی اور کہنے لگی: ''ہاں بھئی... پیارے بچو! آج سے میں تمھاری ٹیچر ہوں۔ چلو باہر آؤ میرے ساتھ۔'' بی فاختہ نے ابھی اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ ننھے چِڑے نے فوراً منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''فاختہ خالہ! میں نہیں جا سکتا آپ کے ساتھ... مجھے ڈر لگتا ہے... مجھے اُڑنا نہیں آتا۔'' بی فاختہ اس کے قریب گئیں اور اسے پیار سے سمجھایا۔

''دیکھو بیٹا! آپ تو بہادر بچے ہو... اپنے دل سے ڈر نکال دو' کیوں کہ ڈر یا خوف ہمارے اندر ہوتا ہے' اسے ایک نہ ایک دن نکالنا ہی پڑتا ہے۔ نہیں نکالو گے تو چوہے بن جاؤ گے اور سب سے پیچھے رہ جاؤ گے۔ بیٹا! تمھاری امی تمھارے لیے کتنا پریشان ہیں۔ چلو شاباش... باہر چلو۔'' ننھا چِڑا مجبوراً باہر نکل آیا۔ جب بچے باہر آگئے تو بی فاختہ نے کہا: ''دیکھو بچو! یہ ایک درخت ہے اور وہ دوسرا درخت ہے۔'' بی فاختہ نے دوسرے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ ''تم دونوں میرے پیچھے پہنچو۔'' یہ کہہ کر بی فاختہ نے اپنے پَر پھیلائے اور اُڑتے ہوئے دوسرے درخت پر پہنچی۔ ایک بچہ اُڑ کر چند لمحوں میں اپنی خالہ فاختہ کے پاس پہنچا۔ بی فاختہ نے جب ننھے چِڑے کو غائب دیکھا تو بڑے بچے سے پوچھا: ''ارے...! تمھارا بھائی ننھا چِڑا کہاں رہ گیا ہے؟''

وہ ہنسنے لگا: ''خالہ! وہ نہیں آسکتا... اس کو ڈر لگتا ہے۔''

فاختہ نے اس درخت کی طرف دیکھا' جہاں ننھا چِڑا تھا تو سہی' مگر ننھے چِڑے کو کوّوں نے گھیر لیا تھا۔ درخت کے چاروں طرف کوّے ہی کوّے تھے اور ہر طرف کائیں کائیں کا شور تھا۔

''تیں تیں تیں... اللہ خیر کرے! میں بی چڑیا کو کیا جواب دوں گی۔ یہ ظالم کوّے ننھے چِڑے کو نہیں چھوڑیں گے۔''

چڑیا کا دوسرا بچہ بھی پریشان ہو گیا' کہنے لگا: ''فاختہ خالہ! اب کیا ہوگا؟'' اتنے میں چڑیا بی فاختہ کے بچے کو لے کر آگئی۔

''چوں چوں چوں... بھئی! آج میں نے تمھارے بچوں کو بہت سکھایا ہے۔ ماشاء اللہ! ذہین بچے ہیں تمھارے۔'' چڑیا بی نے فاختہ بی کو خاموش دیکھا تو گھبرا کر پوچھا: ''کیا ہوا...؟''

چڑیا کے بچے نے بتایا کہ اس درخت پر ننھے چِڑے کو کوّوں نے گھیر لیا ہے۔

''کیا...؟؟ میرا بچہ!!'' چڑیا بی بدحواس ہو کر اُڑنا چاہتی تھی کہ اچانک فاختہ بی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا: ''میں بھی تمھارے ساتھ جاؤں گی۔''

دونوں نے پہلے اپنے بچوں کو محفوظ مقام پر پہنچایا اور تنبیہ کی کہ یہاں سے کوئی باہر نہ نکلے' ورنہ یہ کوّے اس درخت سے یہاں آجائیں گے۔ چڑیا نے گھبرا کر کہا: ''چوں چوں چوں... میرے بچے کو تو اب تک کوئی کوّا لے اُڑا ہوگا۔''

''تیں تیں تیں... تم گھبراؤ نہیں...!! تمھارا بچہ اسی درخت پر ہے۔ کوّوں کا ہجوم اور ان کی کائیں کائیں کا شور بتا رہا ہے کہ ننھا چِڑا وہیں کہیں ہے۔''

''چوں چوں چوں... اچھا! مگر کیا ہمارے جانے سے کوّے چلے جائیں گے؟ انھوں نے تو اپنی ساری برادری کو بلا لیا ہے۔'' چڑیا نے پریشانی میں کہا۔

''تیں تیں تیں... نہیں! پہلے ہم چیل کے پاس جائیں گے۔ ایک چیل ہے' جس سے میرے بڑے دوستانہ تعلقات ہیں' وہ ہے بھی بڑی رحم دل' وہ ضرور ہماری مدد کرے گی۔ ہر چھوٹی طاقت اپنی بڑی طاقت سے ڈرتی ہے۔ چلو میرے ساتھ۔'' چناں چہ چڑیا بی اور بی فاختہ چیل کے پاس پہنچیں' جو ایک سوکھے اور تناور درخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ فاختہ نے مختصر اً قصہ سنایا۔ چیل نے مدد کے لیے حامی بھر لی اور ہوا میں پَر پھیلائے۔ چڑیا بی اور بی فاختہ بھی اس کے پیچھے پیچھے اُڑ رہی تھیں۔ بقیہ ص 26 پر

اُف میری قینچی کا کیا ہوگا؟

ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی

سلطان' عفان اور ریحان تینوں بھائی تھے۔ سلطان نویں جماعت کاطالب علم تھاجب کہ عفان ساتویں اور ریحان پانچویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ان کی دو پھوپھیوں کی شادی ہوچکی تھی جب کہ اکلوتے چچاملک سے باہر تھے۔ایک چھوٹی پھوپھو ثمینہ ساتھ تھیں ابوآفس سے رات کو گھر آتے تھے۔ چناں چہ جب کبھی امی کسی کام سے باہر نکلتیں' بچوں کی عید ہوجایا کرتی۔ پھوپھو شرارتوں میں توساتھ نہ دیتی تھیں'انہیں بقول سلطان کے پھوپھو ہونے کا بہت ''غرور'' تھا' مگر ایک مشکل یہ تھی کہ وہ بچوں کے ساتھ

بھرپور شرارت کھیل کالطف تولیتی تھیں'مگرہر بڑی شرارت کاپورا ریکارڈ اپنے بھائی جان یا بھابھی کے سامنے پیش کردیا کرتی تھیں۔ کئی دفعہ سلطان اور عفان نے مزے مزے کی چیزیں کھلا کر پھوپھو کو قابو کرنے اور ان کا ''بڑاپن'' دُور کرنے کی کوشش کی'مگر انہیں سخت ناکامی کاسامنا ہوا'کیوں کہ میٹرک کی طالبہ پھوپھواول درجے کی شکایت خانم تھیں!! ''یادداشت توبہت ہی اچھی ہے ان کی'ہر شرارت اور ہر بات جیسے ٹیپ کرلیتی ہیں یہ'' ایک دن سلطان نے چپکے سے ریحان اور عفان سے کہااور پھوپھو نے یہ بات بھی سن لی! اس دن ڈانٹ کی جگہ سلطان کو مار کھانا پڑی اور احتیاطاً ایک ایک ہاتھ عفان اور ریحان کی کمر پہ بھی رسید کردیا گیا'اس لیے کہ امی کا خیال تھا کہ خربوزے کو دیکھ کر دو خربوزے اور تیزی سے رنگ پکڑتے جارہے ہیں۔ان دنوں دادی جان بیمار ہوگئیں تھیں۔ چناں چہ ان کے اسپتال میں داخل ہوجانے کی وجہ سے گھر درہم برہم ہوگیا تھا۔ دادا ابو' دادی جان کے پاس اسپتال میں تھے۔کچھ گھنٹے کے لیے امی جاتیں اور دادا ابو آرام کرنے آیا کرتے تھے۔ ابھی امی دوپہر کا کھانا لے کر اسپتال جارہی تھیں۔امی کے باہر نکلتے ہی تینوں بچوں نے شرارت بھری نظروں سے چھوٹی پھوپھو کو دیکھا اور نعرہ لگایا۔

''ہم نہیں ڈرتے' ہم نہیں ڈرتے' دسویں جماعت کی پھوپھو سے۔ ہم لڑتے ہیں' ہم لڑتے ہیں' اتنی چھوٹی پھوپھو سے!''

ثمینہ پھوپھو نے تینوں لڑکوں کو قہر آلود نگاہوں سے گھورا۔ ''نہ ڈرو! میں تم کو ڈانٹ' مار نہیں سکتی مگر شکایت تو لگاسکتی ہوں! تمہاری شکایت ہوگی بھابھی سے! دادی تمہاری بیمار ہیں اور تم لوگ ہو کہ تم پہ کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا' ثمینہ پھوپھو جو میٹرک کلاس کی طالبہ تھیں' بہت بڑے پن سے ڈانٹنے اور سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''اثر؟ اثر کیوں نہیں ہوتا' پھوپھو ثمینہ! ہوتا تو ہے مگر ختم ہوجاتا ہے!'' سلطان نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔

''مگر جلدی ختم نہیں ہوتا پندرہ بیس منٹ تو رہتا ہے۔'' عفان کی آنکھوں میں شرارت بھری پڑی تھی!

''مجھے تو ڈانٹ پڑ ہی نہیں سکتی اگر بھیا اور بھائی جان گھر پہ نہ ہوں! ایک تو میں چھوٹا ہوں اور پھر ہوں بھی بہت زیادہ شریف'' پانچویں جماعت کے طالب علم ریحان اور ثمینہ پھوپھو کے سب سے چھوٹے بھتیجے نے بہت ہی معصومیت سے فرمایا اور باقی لوگوں کے قہقہے ابل پڑے۔

''آپ دیواروں سے تو لڑ نہیں سکتے! جب کوئی گھر میں ہوگا نہیں تو آپ کس سے لڑائی کریں گے؟ ان دونوں کے آتے ہی آپ کی ریسلنگ شروع ہوجاتی ہے۔'' ثمینہ پھوپھو نے ریحان کی عزت افزائی کردی۔

''واہ... کیوں کوئی نہیں ہوتا؟ آپ تو گھر میں ہی ہوتی ہیں'' ریحان نے احتجاج کیا تو ثمینہ پھوپھو نے اس کے دونوں گال کھینچ ڈالے۔ ''کیا مطلب؟ مجھ سے لڑوگے کیا؟؟ پھوپھو ہوں میں!''

''اتنی سی تو ہو!!'' ریحان نے گال سہلاتے ہوئے بڑی بے نیازی سے کہہ دیا اور سلطان عفان زور زور سے ہنسنے لگے۔ ''دیکھو ریحان! بھابھی آجائیں تمہاری سب سے پہلے شکایت لگاؤں گی میں۔

اگلے روز امی دوپہر کا کھانا لے کر اسپتال جانے لگیں تو ثمینہ پھوپھو نے گھر میں رکنے سے انکار کردیا! ''بھابھی یہ مجھے بہت زیادہ پریشان کرتے ہیں' میں نہیں رک سکتی!'' ثمینہ نے اعلان کردیا۔

''اچھا ثمینہ تم کچھ بھی نہ بولنا۔ بس جو بھی یہ بولیں وہ لکھتی جانا۔ میں سب پڑھ لوں گی آکر اور پھر دیکھنا میں کیا کرتی ہوں؟''

امی نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا اور چہرہ تینوں بچوں کی جانب کرکے قہر آلود نگاہوں سے گھورا۔جب وہ شام کو واپس آئیں تو ثمینہ پھوپھو نے سرپہ پٹی باندھ رکھی تھی اور آٹھ صفحات بھابھی کے آگے رکھ دیے۔

''افوہ! اتنا بولتے ہیں یہ؟'' امی نے تعجب سے کہا۔

''نہیں بھابھی... یہ اتنا نہیں بولتے میں تو صرف دو گھنٹے لکھ پائی' بہت سے جملے ادھورے ہیں! جب سر میں درد ہوگیا تو میں نے لکھنے کا ارادہ بدلا اور سر باندھ کر لیٹ گئی۔'' پھوپھو نے معصومیت سے بتایا۔

اگلے دن امی نے گھر سے نکلتے وقت کہا ''مجھے معلوم ہے کہ جھوٹ میرا کوئی بچہ بھی نہیں بولتا۔ سب سچ بولتے ہیں۔اب تم تینوں کا کام یہ ہے کہ تم سب سارا دن ایک دوسرے کی ہر غلطی لکھوگے اور لکھ کر مجھے دکھاؤگے میں شام کو آکر دیکھوں گی۔

بچوں نے مجبوراً ہامی بھرلی۔امی چلی گئیں۔

آج تو کمال ہوگیا تھا۔ گھر میں کافی امن رہا' سب بچے ایک دوسرے کی غلطیاں' بُرے جملے اور ہر غلط بات لکھتے رہے۔ ریحان نے ٹوٹی پھوٹی اردو انگریزی میں پھوپھو کی بھی چارج شیٹ تیار کردی تھی' جس کو پڑھنا اور پھر سمجھ لینا بھی جوئے شیر لانے کے برابر تھا۔البتہ عفان اور سلطان نے پوری پوری کاپی بھرڈالی تھی اور یہ وہی بچے تھے جن کو دو صفحے کا ہوم ورک بھی بوجھل لگتا تھا۔امی نے پڑھا'' سلطان نے کہا کل تو میں ضرور ہادی کو ماروں گا آج تو صرف دو گھونسے مارے ہیں۔ ٹیچر تسنیم تو اپنے کو نجانے کیا سمجھتی ہیں؟ بولنا تک آتا نہیں۔ کالی ہیں بالکل' مارے دھونس جماتی ہیں۔ان سے تو زبان چلانا چاہیے۔'' سلطان نے عفان کے بارے میں لکھا تھا: پھوپھو تو بی جمالو ہیں۔ یہ دادی تو ٹھیک ہی نہیں ہو رہی ہیں۔ پتا نہیں کیسی بیماری ہے؟ ہماری تو اور مشکل آگئی دادا ابو وہاں چلے جاتے ہیں' امی سے کون بچائے گا' پھوپھو تو ویسے ہی اتنی بُری ہیں۔ ہم تو ڈانٹ کھانے کے لیے رہ گئے ہیں۔اب میں سودا نہیں لاؤں گا۔ پیروں میں درد کا بہانہ کروں گا۔''...اور تھوڑے وقفے کے بعد اتنی زیادہ باتیں تھیں کہ سلطان اور عفان کی چند گھنٹوں میں پوری پوری کاپی بھرچکی تھی۔امی نے کچھ حصہ پڑھا اور دونوں کو ان کے ''صرف کچھ گھنٹے کے'' اعمال نامے تھمادیے۔ ''لو! دیکھو! اس سے ایک دن کے صرف پانچ گھنٹوں کے گناہ معلوم ہوں گے۔'' امی نے اداس ہوکر کہا اور چائے بنانے چلی گئیں۔ سلطان اور عفان پڑھتے جارہے تھے...افوہ... کتنا زیادہ ہے یہ! ''ایک ایک بات لکھ ڈالی تم نے؟ میری بے عزتی کردی ہے؟'' دونوں بھائی ہر تھوڑی دیر بعد ایک دوسرے سے یہی جملہ بول رہے تھے۔ ''ارے عفان... تمہیں یاد ہے کل اسلامیات کے ٹیچر نے سورہ ق کی آیت بتائی تھی کہ جیسے ہی ہمارے منہ سے ایک جملے کا پہلا لفظ نکلتا ہے اچھا یا بُرا اس کو ہمارے سیدھے یا الٹے ہاتھ کے فرشتے فوراً لکھ ڈالتے ہیں۔'' وہ بے انتہا اداس تھا۔

''بھائی جان! مجھے کیسے معلوم ہوگا؟ کوئی میں آپ کی کلاس میں پڑھتا ہوں؟'' عفان جھنجھلا کر بولا ''یار عفان ناراض نہ ہو سوچو... ہم نے ایک دوسرے کی رپورٹ تیار کردی ہے مگر ہماری اس سے زیادہ زبردست رپورٹ تیار ہورہی ہے بہت سال سے روزانہ ہر لمحے کی رپورٹ! اور ہم کتنی برائیاں کرتے ہیں ہے نا؟'' سلطان گم صم ہوکر بولا اور عفان چیخ پڑا ''ہائے!!! میری قینچی کا اب کیا ہوگا؟؟ میں کہاں جاؤں؟؟'' سلطان اس کو دیکھنے لگا۔ ''کیسی... قینچی؟؟''

''یہ قینچی!!'' اس نے غم زدہ ہوکر اپنے ہاتھوں سے زبان کو پکڑا۔ ''میرا تو حساب بہت لمبا ہے...اب میں کیا کروں گا؟'' سلطان غمگین اور اداس تھا وہ دوبارہ کاپی لے کر بیٹھ گیا جس میں دس صفحے خالی رہ گئے تھے۔ ''بھائی جان! تم پھر بُرائیاں لکھنے لگے میری؟ کیا اب تم ابو کو دکھاؤگے نا؟'' عفان نے شکوہ کیا۔

''نہیں! اب تو میں اپنی بُرائی لکھ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو معافی لکھ رہا ہوں معافی نامہ استغفراللہ استغفراللہ استغفراللہ... وہ مسلسل لکھ رہا تھا اور اب دس کے دس صفحے ختم ہوگئے تو اس نے ایک بڑا سا سادہ صفحہ لے کر ایک کہانی لکھنا شروع کردی...اپنی کہانی...اور آخر میں لکھا ''لوگو! میرے لیے بھی اللہ سے معافی مانگنا! دوسروں کے لیے تو یہ ایک کہانی ہے مگر میری غلطیوں خرابیوں اور گناہوں کی فہرست بہت لمبی ہے خدارا جو بھی میری کہانی پڑھے وہ میرے لیے بہت دعا کرے اور اس قینچی کی دھار کم ہونے کی بھی دعا کردے...جو ہر چیز کو کاٹ کے پھینک دیتی ہے' لیکن سارا کچرا میرے الٹے بازو پہ بیٹھے فرشتے کے پاس موجود ڈسٹ بن میں جاکر جمع ہوتا ہے اور ''ریکارڈ'' ہونا شروع بھی ہوجاتا ہے۔ قیامت میں' میں اتنا کچرا کیسے اٹھاؤں گا۔ مجھے زبان کی حفاظت کے علاوہ دوسروں کی دعا اور بہت، بہت سارے استغفار کی ضرورت ہے۔اللہ مجھے معاف کردے لوگوں!! تم سب بھی مجھے معاف کردو۔'' سلطان کے پاس اس کی کہانی کا صفحہ ختم ہوگیا تھا اور اس پہ جابجا آنسو کے قطرے بھی ثبت ہوگئے تھے۔اللہ ہم سب کے بھی سب گناہوں سے درگزر کرے اور ہمیں معاف فرمائے کہ ہم ایک دن میں ہی اتنے گناہ جمع کرلیتے ہیں کہ بائیں بازو والے فرشتے کے ہاتھوں کو آرام ہی نہیں دیتے اور دائیں بازو والے فرشتے کو کام ہی نہیں دیتے!!

Super Kote® PAINT

ROYALE GROUP

سندھ میں ٹوکن کے بغیر رنگ بنانے والی پہلی اور پاکستان کی دوسری کمپنی

رویال پینٹ (سپر کوٹ)

کراچی کے عوام کو مہنگائی سے نجات دو پینٹ کے تمام ڈبوں سے ٹوکن ختم کرو

"حضراتِ اکابرین سے دعاؤں کی درخواست"

کہ اللہ پاک ہمیں استقامت دے اور رنگ سازوں کے شر سے ہمیں محفوظ رکھے اور ہم سب کو حلال رزق کمانے کی توفیق دے۔ آمین

مساجد اور مدارس کے لئے خصوصی رعایت۔

سپر کوٹ اب نئے اور کم دام میں طلب کریں۔

PLASTIC EMULSION		MATT FINISH		STAINLESS	
~~1400~~ Gallon ~~5400~~ Drum	1100 Gallon 4200 Drum	~~2650~~ Gallon ~~10,400~~ Drum	2350 Gallon 9200 Drum	~~2600~~ Gallon ~~10,200~~ Drum	2300 Gallon 9000 Drum
WEATHER SHELTER		**FILLING PUTTY**		**OIL PRIMER SEALER**	
~~2300~~ Gallon ~~9000~~ Drum	2050 Gallon 8000 Drum	~~950~~ Gallon ~~3600~~ Drum	650 Gallon 2400 Drum	~~1950~~ Gallon ~~7600~~ Drum	1650 Gallon 6400 Drum
ENAMEL		**W.BASE PRIMER**		FOR FREE DELIVERY	
~~2550~~ Gallon ~~10,000~~ Drum	2250 Gallon 8800 Drum	~~1750~~ Gallon ~~6800~~ Drum	1450 Gallon 5600 Drum	0335-2967871 0313-2329526	

ٹوکن کی رقم گیلن پر 400 روپے اور ڈرم پر 1600 روپے خریدار کیوں دے؟

Royale Paint Industries (Pvt.) Ltd.

info@superkotepaint.com /superkotepaint www.superkotepaint.com

آج اسکول میں کھیلوں کا مقابلہ تھا۔ دوڑ کے مقابلے میں رائمہ اول آئی تھی۔۔۔ کئی لڑکیوں نے رائمہ کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا مگر رائمہ نے سب کو ہرا دیا۔ رائمہ کو انعام لینے کے لیے اسٹیج پر بلایا گیا۔۔۔۔۔

"رائمہ نے دوڑ کے مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ رائمہ کی دوڑ دیکھنے میں بہت مزہ آیا، ایسا لگا جیسے کوئی ہرن قلانچیں بھر رہا ہو۔" پرنسپل صاحبہ ایوارڈ دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔۔۔

ایوارڈ لینے کے بعد تمام بچیاں اپنی اپنی جماعتوں میں چلی آئیں۔۔ مس اسما کلاس میں داخل ہوئیں تو تمام طالبات رائمہ کو ہرن ہرن کہہ کر چھیڑ رہی تھیں۔۔۔ ہرن کا نام سن کر مس اسما مسکرانے لگیں۔۔۔

"ہاں بھئی۔۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہرن بہت تیز دوڑتا ہے۔۔۔۔ دیکھنے میں تو اس کی ٹانگیں پتلی پتلی سی لگتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی ٹانگوں کو بہت مضبوط بنایا ہے، عام طور پر ہرن 60 سے 65 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا ہے۔۔ دوڑتے دوڑتے یہ لمبی لمبی چھلانگیں لگاتا ہے، اس کی ایک چھلانگ 20 فٹ تک لمبی ہو سکتی ہے۔۔۔" وہ بولیں۔۔

"مضبوط ٹانگوں کے علاوہ اس کے جسم کے باقی اعضا بھی بہت خصوصیات لیے ہوئے ہیں۔۔۔ جیسا کہ اس کی سننے کی صلاحیت غیر معمولی ہوتی ہے۔۔۔ یہ جب کوئی آواز سنتا ہے اسے پتا چل جاتا ہے کتنی دور سے آ رہی ہے اور یہ ایسی آوازیں بھی سن لیتا ہے جو انسان نہیں سن سکتے۔۔" کلاس کی مانیٹر کھڑے ہوتے ہوئے بولی

اس کی سونگھنے کی حس بھی بہت تیز ہے۔۔۔ یہ سینکڑوں گز دور پڑی چیز کی بو محسوس کر لیتا ہے۔۔ منورہ بولی۔

ہاں منورہ بیٹی۔۔ تم نے ٹھیک کہا۔ اسی طرح ہرن کی آنکھیں بھی بہت خاص ہوتی ہیں۔۔۔ پہلی بات تو یہ کہ اس کی آنکھیں بہت ہی خوب صورت ہوتی ہیں، اس کی آنکھیں سر کے دونوں جانب ہوتی ہیں۔۔ اس طرح یہ 310 درجے کے زاویے پر اپنے چاروں طرف دیکھ سکتا ہے اور اس کی آنکھوں کی ایک خاص بات یہ ہوتی ہے کہ یہ اندھیرے میں بھی آسانی سے دیکھ لیتا ہے۔۔۔ مس اسما کہہ رہی تھیں۔

اندھیرے میں۔۔۔ وہ کیسے۔۔؟ جویریہ نے حیران ہو کر کہا۔۔

"ہاں بیٹی۔۔ ہرن کی آنکھوں میں ایک جھلی ہوتی ہے اس خاص جھلی کی وجہ سے یہ اندھیرے میں بہت ہی آسانی سے دیکھ لیتا ہے۔" انہوں نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ نے ہرن کو کس قدر خوبیاں دی ہیں،، ہم کو تو پتا ہی نہیں تھا۔۔۔ گل رخ نے کہا بقیہ ص نمبر 17 پر

ہرن

فوزیہ خلیل

سونے کی چٹان

احمد رضا انصاری

شریف ایک غریب لکڑہارا تھا۔۔۔ وہ دین پور نامی ایک چھوٹے سے گاؤں کا باسی تھا۔۔ گاؤں کے قریب ہی ایک گھنا جنگل تھا۔۔۔۔ جہاں سے وہ لکڑیاں کاٹ کر شہر میں فروخت کرآتا تھا۔۔۔اس کی بیوی گزشتہ سال انتقال کر گئی تھی۔۔اس کی ایک ہی بیٹی تھی جو اس کی کل کائنات تھی۔۔۔ رہنے کو ایک چھوٹا لیکن پیارا سا گھر تھا' جس میں وہ اپنی زندگی ہنسی خوشی گزار رہے تھے۔۔۔ شریف روز منہ اندھیرے اٹھ کر نمازِ فجر ادا کرتا' پھر وہ اپنے گدھے بنٹو کے ساتھ جنگل کی راہ لیتا۔۔۔۔ خشک اور آندھی طوفان سے گرے درختوں سے وہ لکڑیاں کاٹتا اور گدھے پر لاد کر شہر لے آتا۔۔۔ جہاں اسے اپنی لکڑیوں کے اچھے دام مل جاتے تھے۔۔۔ روز شہر سے وہ اپنی بیٹی کے لیے طرح طرح کی چیزیں لاتا۔۔ کبھی فروٹ' کبھی کھلونے' کبھی مٹھائی اور کبھی کہانیوں کی کتابیں۔۔۔ کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔۔ غرض وہ کبھی بھی خالی ہاتھ گھر نہیں لوٹتا تھا۔۔۔ ننھی ساشا اپنے ابو کو منع بھی کرتی تھی کہ میرے لیے اتنی چیزیں نہ لایا کریں۔۔۔ لیکن شریف ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا۔۔۔۔ وہ اپنی بیٹی سے بہت پیار کرتا تھا۔۔ ساشا گاؤں کے پرائمری اسکول میں پڑھتی تھی۔۔اس کی چند سہیلیاں غریب گھرانوں سے تھیں۔۔ ساشا اپنی اکثر چیزیں ان میں بانٹ دیتی تھی۔۔ وہ ایک رحم دل اور نیک لڑکی تھی' ہر کسی کے کام آنے والی۔۔۔

دس سال کی عمر میں وہ گھر کا سارا کام کر لیتی تھی' روٹی بنانی بھی اسے آگئی تھی ۔۔ سالن وہ ابھی اپنی ہمسائی خالہ برکت سے بنواتی تھی۔۔۔ کیوں کہ اسے ابھی سالن پکاتے ہوئے مسالے کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ کون سی چیز کتنی مقدار میں ڈالنی ہے۔۔ ویسے بھی اس کے ابو روز شہر سے کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے لے آتے تھے۔۔۔ یہی وجہ تھی کہ اسے کھانے پکانے کی زیادہ پریشانی نہیں ہوتی تھی۔۔۔۔

ایک دن شریف لکڑیاں کاٹنے جنگل میں گیا۔۔۔۔ وہ ایک خشک درخت کی موٹی ٹہنیاں کاٹنے لگا۔۔۔ اچانک اسے دائیں جانب زمین پر کوئی شے چمکتی نظر آئی۔۔ پہلے تو وہ سمجھا پلاسٹک کا کوئی ٹکڑا ہے جو دھوپ میں چمک رہا ہے۔۔ لیکن ذرا غور کرنے پر اسے پتا چلا وہ پلاسٹک نہیں' پتھر جیسی کوئی چیز ہے۔۔۔ شریف کچھ سوچ کر اس چمکتی چیز کی طرف جانے لگا۔۔۔ شریف جنگل کے اس حصے میں پہلی بار آیا تھا۔۔۔ یہ حصہ خاصا گنجان تھا' اسی لیے اکثر لوگ اس طرف کا رخ بمشکل ہی کرتے تھے۔۔

قریب جاکر شریف نے اس شے کو دیکھا تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔۔۔۔

وہ سونے کی ایک چھوٹی سی ڈلی تھی۔۔۔ شریف نے اسے اٹھانے کی کوشش کی' لیکن وہ زمین میں دھنسی ہوئی تھی۔۔ اس نے اپنا کلہاڑا ایک طرف رکھا اور ایک نوکیلی لکڑی کی مدد سے ڈلی کے چاروں طرف سے زمین کھودنے لگا۔۔۔۔

وہ بہت خوش تھا۔۔۔ شریف سوچنے لگا کہ میں یہ سونا بیچ کر ایک بڑی سی حویلی بنواؤں گا۔۔ جہاں میں اور ساشا مزے سے رہیں گے۔۔ کچھ زمین بھی خرید لوں گا جس پر میرے مزارع کام کریں گے۔۔۔ ایک اچھی سی گاڑی بھی لوں گا جس میں ہم باپ بیٹی سیر کیا کریں گے۔۔۔۔ وہ انہی خوش کن خیالوں میں مگن جلدی جلدی سونے کی ڈلی کے چاروں طرف سے مٹی ہٹا رہا تھا۔۔ لیکن جوں جوں وہ مٹی ہٹاتا گیا ڈلی کا سائز بھی بڑھتا چلا گیا۔۔۔ وہ اب ایک چھوٹی سی چٹان کی شکل میں ابھر آئی تھی۔۔۔۔

تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد شریف دوبارہ مٹی ہٹانے میں مصروف ہوگیا۔۔۔ مٹی بہت نرم تھی ۔۔اسی لیے اسے مٹی ہٹانے میں کوئی دقت پیش نہیں آرہی تھی۔۔۔ اسی طرح پورا دن گذر گیا' لیکن سونا زمین سے باہر نہ نکلا۔۔۔ وہ اب ایک بڑی سی چٹان کی صورت میں تھا۔۔۔ سونے کی چٹان۔۔۔۔

شریف تھکن سے چور ہو چکا تھا' مگر لالچ کے ہاتھوں مسلسل مٹی ہٹانے میں مصروف تھا۔۔۔ لالچ کی واقعی کوئی حد نہیں ہوتی۔۔۔

◆◆◆

ادھر ساشا بہت پریشان تھی۔۔ اس کے ابو ابھی تک لکڑیاں بیچ کر واپس نہیں آئے تھے۔۔۔ آخر شام ڈھلنے لگی۔۔۔ ساشا پریشانی سے صحن میں ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔۔ اچانک دروازہ بج اٹھا۔۔ ساشا کے چہرے پر امید کی کرن چمکی کہ ابو واپس آگئے۔۔۔ اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔۔۔۔

لیکن دروازے پر اس کے ابو کے دوست عبدالشکور چاچا تھے۔۔۔

"سلام چاچا۔۔۔"

"وعلیکم السلام۔۔ جیتی رہو۔۔۔"

"ساشا بیٹا! آج تمہارے ابو لکڑیاں بیچنے شہر کیوں نہیں آئے۔۔۔ کیا طبیعت تو ٹھیک ہے نا اس کی؟"

"لیکن چاچا! ابو تو صبح چلے گئے تھے اور ابھی تک واپس نہیں آئے۔۔۔" ساشا حیران رہ گئی تھی۔۔۔

"مجھے آج وہ نظر نہیں آیا' اسی لیے اس کی خیریت دریافت کرنے چلا آیا۔۔۔۔ تم پریشان نہ ہو آجائے گا وہ تھوڑی دیر تک۔۔۔۔۔ اچھا میں چلتا ہوں۔۔"

یہ کہہ کر وہ واپس پلٹ گئے۔۔۔

"ساشا نے فوراً گھر کو تالا لگایا اور تیز تیز قدموں سے جنگل کی طرف جانے لگی۔۔۔ اس کے ابو نے صبح باتوں ہی باتوں میں ذکر کیا تھا کہ وہ آج جنگل کے شمالی حصے میں جائیں گے۔۔۔۔۔ وہاں سوکھے درخت بہت زیادہ ہیں۔۔۔"

"اللہ خیر کرے۔۔ پتا نہیں ابو ابھی تک جنگل سے واپس کیوں نہیں آئے۔" ساشا نے سوچا۔

جلد ہی وہ جنگل کے شمالی حصے میں پہنچ کر اپنے ابو کو تلاش کرنے لگی۔۔۔۔ اسے ابو کہیں نظر نہ آئے۔۔۔ تبھی ایک طرف سے مٹی کھودنے کی آوازیں سن کر وہ اس طرف بڑھی۔۔۔ کچھ دور شریف مٹی میں لت پت سونے کے چاروں طرف سے زمین کھودنے میں لگا ہوا تھا۔۔۔ سونے کی چٹان دیکھ کر ساشا حیران رہ گئی۔۔۔

"ابو۔۔ ابو جی! گھر واپس چلیے رات ہونے والی ہے۔۔" اس نے اپنے باپ کو آواز دی۔

شریف چونک پڑا۔۔۔ اس نے سر اٹھا کر آواز کی سمت دیکھا اور پھر وہ ساشا کو وہاں دیکھ کر گڑھے سے باہر نکل آیا۔۔۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو بیٹی۔۔۔! میں یہاں کام کر رہا ہوں۔۔۔ پتا نہیں یہ سونے کی چٹان اور کتنی زمین کے اندر ہے۔۔۔" شریف نے پہلے ساشا اور چٹان کو دیکھ کر کہا۔ "ابو۔۔۔ ہم کیا کریں گے اتنے سونے کا۔۔۔ لالچ چھوڑیں اور گھر واپس چلیں۔۔۔ جنگل کے اس حصے میں خطرناک جنگلی جانور رہتے ہیں۔۔ وہ آپ کو نقصان پہنچادیں گے۔۔۔" ساشا' روہنسی آواز میں بولی۔

"ہمارے دن پھر جائیں گے پگلی۔۔۔ تم فکر نہ کرو بس تھوڑا سا کام باقی ہے۔۔ پھر چلیں گے گھر۔۔۔۔" شریف اتنا کہہ کر واپس چٹان کی طرف جانے لگا۔۔۔ ابھی وہ گڑھے سے ذرا دور ہی تھا کہ اچانک گڑگڑاہٹ سی سنائی دی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سونے کی چٹان زمین میں دھنس کر ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔۔۔۔ چٹان کو غائب ہوتا دیکھ کر شریف بھونچکا سا رہ گیا۔۔۔ پھر جیسے ہی وہ ہوش میں آیا تو فوراً گڑھے کی طرف دوڑا۔۔۔۔۔

ساشا نے بروقت اسے پکڑ لیا اور پیچھے گھسیٹنے لگی۔۔۔

"ابو جی۔۔ گھر چلیں۔۔۔ وہ سونا ہمارا نہیں تھا۔۔ لالچ نہ کریں۔۔۔ ہم اپنی موجودہ زندگی میں بہت خوش ہیں۔۔۔ وہ سونا حاصل کر کے ہم بھلا کیا کرتے۔۔۔۔ واپس چلیں۔۔۔ یہ سمجھ لیں کہ آپ نے سونے کی کوئی چٹان دیکھی ہی نہیں۔۔۔" ساشا اپنے باپ کا دیوانہ پن دیکھ کر زور زور سے بولنے لگی تھی۔۔۔ اس کی آواز بازگشت بن کر پورے جنگل میں گونجنے لگی تھی۔۔۔۔ پھر جیسے اس کی بات شریف کی سمجھ میں آگئی۔۔۔۔ اس نے ساشا کو ساتھ لپٹا لیا۔۔۔ پھر وہ اپنا کلہاڑا اٹھا کر ساشا کو واپس چل پڑا۔۔۔۔۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج کے بعد پھر کبھی بھی جنگل کے اس حصے میں نہیں آئے گا۔۔۔۔ پہلے کی طرح اپنی حق حلال کی کمائی ہی اس کے لیے کافی ہے۔۔۔ اس کے دل میں اطمینان کا ایک دریا سا بہنے لگا تھا' جس میں سارا لالچ بہتا چلا گیا۔۔۔

گناہوں سے بچنے کے لیے سب سے بہترین وظیفہ

کوئی سمجھے کہ میں فلاں وظیفہ پڑھ لوں گا تو گناہوں سے بچ جاؤں گا' ارے بھائی' وظیفہ پڑھنے سے نہیں بچ سکتا۔ جب تک کہ خود آدمی اپنے آپ پر زبردستی کرنے کی عادت نہ ڈال لے۔ اپنے اوپر زبردستی کرے گا تو اس زبردستی کے نتیجے میں بچ جائے گا' ہاں البتہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ایک وظیفہ ہے۔ لوگ وظیفے پوچھتے رہتے ہیں' سب سے بہترین وظیفہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے۔ جب کبھی ایسا موقع آنے لگے جہاں گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہاں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرلو' یا اللہ فلاں جگہ جارہا ہوں' اندیشہ ہے کہ میری آنکھ بہک جائے' اندیشہ ہے کہ میرے کان بہک جائیں' اندیشہ ہے کہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤں' یا اللہ مجھے اپنی حفاظت میں لے لیجیے۔ سب سے بہترین وظیفہ یہی ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے خطبات سے ام ہانی کا انتخاب

ٹوپی فروش اور بندر

بنتِ فاروق محمود

ایک گاؤں میں ایک ٹوپی فروش رہا کرتا تھا آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ کیا اس گاؤں میں ایک شخص رہا کرتا تھا۔۔۔؟ جی نہیں! وہاں اور لوگ بھی رہتے تھے، لیکن ہم جس کی بات کر رہے ہیں، وہ ایک ہی تھا اور یہ شخص جدی پشتی ٹوپی فروش تھا۔ وہ روزانہ ٹوپیاں بنا کر انھیں بیچنے شہر جایا کرتا تھا۔ شہر جانے کے لیے اسے کشتی کے ذریعے دریا عبور کرنا پڑتا تھا اس لیے وہ روزانہ وقت پر نکل جاتا، تاکہ وقت پر کشتی میں سوار ہو سکے۔ ایک دن اسے نکلنے میں کچھ زیادہ دیر ہو گئی، وجہ اس کا بھلکڑ پن تھا، وہ چیزیں رکھ کر بھول جایا کرتا تھا۔ اس دن بھی عینک رکھ کر بھول گیا کہ کدھر رکھی ہے، حالاں کہ وہ اس کے گلے میں لٹکی ہوئی تھی اور وہ ڈھنڈورا شہر یعنی گھر میں پیٹ رہا تھا۔ کبھی فریج میں دیکھتا، کبھی صوفے کے نیچے، کبھی الماری میں، کبھی میلے کپڑوں میں آخر کار اس کی بیوی نے اس کو یوں شور و غل کرتے دیکھا تو پوچھ بیٹھی:

"ارے منے کے ابا! کیا ڈھونڈتے ہو؟"

کہنے لگا: "اری نیک بخت! میری عینک کہاں ہے؟"

بیوی بولی: "اوہو منے کے ابا! عینک تو آپ کے گلے میں ہے۔ آپ ہمیشہ بھول جاتے ہو۔"

پھر اس کو یاد آیا کہ اس نے تو عینک میں ڈوری لگوا کر گلے میں ڈالی تھی، تاکہ کہیں رکھ کر بھول نہ جائے، پھر اس نے گلے میں ہاتھ مارا تو عینک وہاں موجود تھی۔

اب یہ گھر سے نکلا، وہاں دریا پہ پہنچ کر اسے یاد آیا کہ وہ ٹوپیوں کا ٹوکرا تو گھر بھول آیا ہے۔ وہیں سے الٹے قدموں واپس ہوا۔ آج اس سے بھول پہ بھول ہو رہی تھی۔ خیر! ٹوکرا لایا تو کیا دیکھتا ہے کہ کشتی جا چکی ہے۔ اس بھاگ دوڑ میں اتنا تھک چکا تھا کہ سوچا کچھ دیر آرام کر لوں۔ آرام کی غرض سے وہیں ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی، کیوں کہ رات کو دیر سے سویا تھا، وجہ یہ ہے کہ رات کو جب سونے لیٹا تو اسے لگا کہ کچھ بھول رہا ہے، اسے یاد کرنا چاہیے۔۔۔ اور رات کے دو بجے اسے یاد آیا کہ آج تو اسے جلدی سونا تھا، وہ دوبارہ پھر سویا، جس کی وجہ سے اب اس کی جلد ہی آنکھ لگ گئی تھی۔

اسی درخت پر ایک بندر رہا کرتا تھا اس کا نام چنگی تھا۔ یہ بندر اپنے پورے خاندان کے ساتھ رہا کرتا تھا، یعنی ابا، اماں، بھائی، بہن، پھوپھی، خالہ، ماموں، چچا۔۔۔ غرض سب ہی بندر تھے۔ یہ بندر اس شخص کو روز گزرتے دیکھا کرتے، لیکن آج اس کو اپنے درخت کے نیچے سوتا پایا تو چنگی بندر کو شرارت سوجھی اور چنگی نے ٹوپی والے کی ٹوپیوں والی ٹوکری اٹھالی۔

پھر جب کشتی آنے پر ایک مخصوص سائرن کی آواز سے ٹوپی فروش جاگا اور ادھر ادھر گردو نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ اس کی ٹوپیوں والی ٹوکری غائب ہے۔ وہ فوراً گھبرا گیا اور سوچنے لگا کہ وہ تو ٹوکری لایا تھا۔ اتنے میں اچانک اس کے سر پہ طوفان ٹوٹ پڑا۔ دراصل! یہ طوفان نہیں، بلکہ ایک سیب تھا، جو اس کے سر پہ گرا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو بندروں کا ٹولا ہنستا قُل قُل کرتا نظر آیا اور ان سب بندروں کے سروں پہ اس کی ٹوپیاں تھیں۔ اب یہ سارا ماجرا سمجھ گیا کہ یہ ٹوپی کی ٹوکری اٹھانا ان بندروں کی شرارت ہے۔ اب یہ ان سے ٹوپیاں لینے کی ترکیب سوچنے لگا۔

اسے یاد آیا کہ اس کے "دادا جی" نے بتایا تھا کہ یہ بندر نقال ہوتے ہیں۔ تم جو کرو گے یہ بھی وہی حرکت کریں گے، کیوں کہ ایک مرتبہ "دادا جی" کی ٹوپیاں بھی بندروں نے لے لی تھیں تو "دادا جی" نے ان سے اسی طرح چھڑوائی تھیں تو ٹوپی فروش رونے لگا گیا۔ اب کیا تھا۔۔۔ سارے بندر اس کی نقل میں رونے لگ گئے، پھر یہ ہنسنے لگا تو سارے بندر ہنسنے لگے، پھر یہ اکڑوں بیٹھا تو وہ سارے بندر بھی اس کی نقل میں بیٹھ گئے، پھر یہ کھڑا ہو گیا تو سارے بندر بھی کھڑے ہو گئے، اس نے دیکھا کہ "دادا جی" کی ترکیب کام یاب ہو رہی ہے تو اس نے اگلی چال چلی اور اپنے سر سے ٹوپی اتار کر دُور پھینک دی اور سمجھنے لگا کہ اب سارے بندر بھی ٹوپیاں پھینکیں گے اور یہ ساری ٹوپیاں اٹھا کر رفو چکر ہو جائے گا، لیکن شیخ چلی کی سوچ کے انڈے یہ دیکھ کر ٹوٹے جب کسی بندر نے بھی ٹوپی نہیں پھینکی، بلکہ الٹا چنگی بندر درخت سے اترا اور اس کی پھینکی ہوئی ٹوپی اٹھالی اور قُل قُل کرکے جانے لگا۔

اتنے میں وہاں سے چند سیاحوں کا گزر ہوا، انھوں نے بندر کو قُل قُل کرتے دیکھا تو فوراً اپنا موبائل نکالا اور ٹرانسلیٹر ایپ (Translator App) کھولی، جو انھوں نے جانوروں کی زبانوں کو سمجھنے کے لیے ڈالی ہوئی تھی اور لگے بندر پہ آزمانے۔ جب موبائل بندر کی آواز کے قریب کیا تو موبائل نے ٹرانسلیٹ (ترجمہ) کیا، بندر کہہ رہا تھا:

"چاچا جی۔۔۔! ہمارے "دادا جی" نے بھی ہمیں ٹوپیوں والی کہانی سنائی ہوئی ہے اور انسانوں کی چالوں کے بارے میں بتایا ہوا ہے کہ وہ کس طرح ہم معصوم جانوروں کو "الو" بناتے ہیں۔"

یہ سن کر سیاح ہنسنے لگے اور ٹوپی فروش ہکا بکا ان کو تکنے لگا اور اداس ہاتھ ملتا ہوا اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور سب کو سبق دیا کہ ہمیشہ وقت ایک سا نہیں رہتا۔۔۔!

نیکیاں سمیٹ لو

’’اللہ اکبر اللہ اکبر‘‘

’’اویس بیٹا! اذان ہو رہی ہے‘ کمپیوٹر بند کر دیں‘‘’’اویس!۔۔۔۔اویس!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔‘‘

’’جی بابا کرتا ہوں‘‘لیکن کمپیوٹر بند کرتے کرتے اذان مکمل ہو گئی

اویس ویسے تو ایک اچھا بچہ تھا‘لیکن اذان کا احترام نہیں کرتا تھا‘ اذان ختم ہونے پر نماز بھی پڑھ لیتا‘لیکن اذان کے دوران اپنی سرگرمیاں جاری رکھتا۔ پھر اس کے بابا نے اسے سمجھایا: ’’بیٹا! اذان خاموشی اور ادب سے سننی چاہیے اور جواب بھی دینا چاہیے۔اذان خاموشی سے سننے اور جواب دینے کا بہت اجر ہے۔بغیر کسی محنت کے اتنی نیکیاں سمیٹنے سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔اور قیامت کے دن جب نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت ہو گی‘ یہ نیکیاں کتنی کام آئیں گی۔‘‘

’’جی بابا! میں بہت شرمندہ ہوں آئندہ میں اذان کے احترام کا بہت خیال رکھوں گا۔‘‘اویس نے جواب دیا

’’شاباش بیٹا! چلو اب نماز پڑھنے چلتے ہیں۔‘‘

’’جی بابا چلیں۔‘‘

راستے میں بابا نے اسے بتایا’’اذان کی طرح اقامت کا بھی جواب دینا چاہیے ‘اس کا بھی بہت اجر ہے۔‘‘

دونوں باپ بیٹا مسجد پہنچے تو اقامت شروع ہو رہی تھی‘اویس صف میں کھڑا ہو گیا اور نیکیاں سمیٹنے لگا۔

مرسلہ : عبدالواسع‘شعبہ حفظ دار القرآن گلشن اقبال

اللہ کھلاتا ہے

ایک شخص نے اپنے ایک دوست سے سنا کہ کھانا اللہ کھلاتا ہے۔ کھانے کے وقت جب دستر خوان لگا تو اس نے اپنی ماں سے کہا ماں! میں نہیں کھا سکتا‘ ماں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا: دیکھتا ہوں اللہ کیسے کھلائے گا۔ماں اور بھائی بہنوں نے بہت سمجھایا لیکن وہ شخص اپنی ضد پر اڑا رہا۔اور ایک جنگل میں جا کر بیٹھ گیا۔ماں ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس تک پہنچ گئی اور کھانا قریب رکھ کر آگئی کہ جب اکیلا ہو گا اور زیادہ بھوک لگے گی تو کھالے گا‘ کچھ دیر بعد وہاں سے کچھ ڈاکوؤں کا گزر ہوا‘ ڈاکوؤں نے دیکھا کہ کھانا رکھا ہوا ہے تو وہ کھانے کی طرف لپکے۔ایک چالاک ڈاکو نے کہا: ایسا نہ ہو یہ کسی کی چال ہو اور کھانے میں زہر ملا ہوا ہو اور ہم زہر والا کھانا کھا کے مر جائیں انہوں نے اس شخص سے کہا کھانا کھاؤ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ڈاکوؤں کو یقین ہو گیا‘ اس میں واقعی زہر ہے تبھی یہ شخص نہیں کھا رہا۔ڈاکوؤں نے اس کو مار مار کے کھلایا۔جب دیکھا اسے کچھ نہیں ہوا تو اس کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ڈاکوؤں کے جانے کے بعد یہ شخص اپنے اس دوست کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ بھائی تو نے آدھی بات بتائی تھی کہ اللہ کھلاتا ہے۔ تمہیں پوری بات بتانی چاہیے تھی اللہ کھانا کھلاتا ہے لیکن ساتھ مار بھی کھلاتا ہے۔

مرسلہ : حافظ ابو بکر دہلی کالونی کراچی

بچوں کے فن پارے

عائشہ فاطمہ ، دوم ، آدم جی گرامر اسکول

مسفرہ امبر، ٹو، 8 سال، روضۃ السلام کراچی

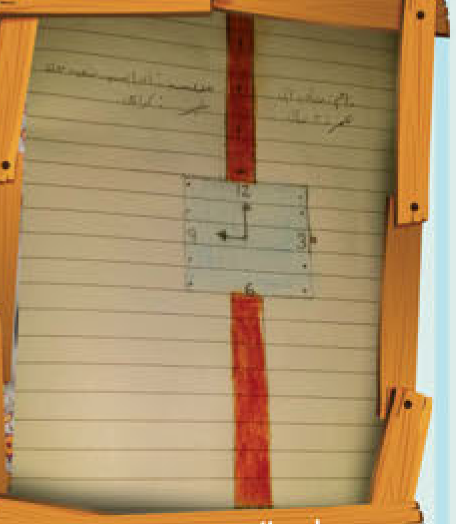
معاویہ الٰہی ،حفظ ، 7 سال کراچی

محمد بن کاشف عزیز، ون، چھ سال، روضۃ السلام کراچی

محمد سائح علی، حفظ ،10 سال جامعہ بیت السلام کراچی

حسنین شیخ ششم ، 11سال، شکارپور، سندھ

دُعا ساتویں جماعت آدم جی گرامر اسکول

پیارے بچو!

کیا آپ کو پتا ہے ہمارے والدین کے علاوہ ہمارے اساتذہ بھی والدین کا درجہ رکھتے ہیں ' اپنے اساتذہ کی بھی ہمیں اسی طرح عزت کرنی چاہیے جس طرح ہم اپنے والدین کی کرتے ہیں۔

پیارے بچو! کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اساتذہ اسکول یا مدرسے میں آپ کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے ڈانٹ دیں ' تو انہیں غصے یا بدتمیزی کی بجائے نہایت ادب واحترام سے جواب دینا چاہیے۔ بلکہ خوش دلی سے برداشت کرنا چاہیے ' کسی بھی طرح ناراضی کا اظہار بے ادبی ہے اور اس سے بچنا چاہیے ' اپنی دعاؤں میں ماں باپ کے ساتھ ساتھ اساتذہ کے لیے بھی دعا کرنی چاہیے۔ امام ابوملیقہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس کے بعد اپنے اساتذہ کے لیے دعا نہ کی ہو

تو پیارے بچے وعدہ کرتے ہیں نا! اپنے استاذ کے ساتھ ادب واحترام سے پیش آئیں گے اور ان کے لیے دعا بھی کریں گے

ماہنامہ فہمِ دین مارچ کے سوالات

سوال نمبر 1 : ساجد کا مسئلہ کیسے حل ہوا؟ اسے جینے کا سلیقہ کسے دیکھ کر آیا

سوال نمبر 2 : "سونو" کو گرمیوں کا کیوں انتظار رہتا تھا؟

سوال نمبر 3 : (بڑائی صرف اللہ کو زیب دیتی ہے 'اللہ تعالی غرور و تکبر کرنے والے کو تباہ وبرباد کردیتے ہیں) یہ بات باغ میں کس نے کہی تھی؟

سوال نمبر 4 : چیما گینڈا کی عیادت کرنے کون گیا تھا؟

سوال نمبر 5 : داداجان کی مرغی کا کیا نام تھا؟

انعامات جیتنے کی نئی ترتیب

پیارے بچو! ماہ نامہ فہم دین کی سابقہ ترتیب یہ تھی کہ ایک شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور اس کے بعد والا شمارہ پریس میں ہوتا تھا' اس لیے ہم ایک شمارہ چھوڑ کے اس سے اگلے والے شمارے میں آپ کے سوالات کے جوابات بتا بھی دیتے تھے اور درست جواب دینے والوں کے نام بھی ذکر کر دیتے تھے ' مگر پچھلے شمارے میں جیسا کہ آپ کے علم میں ہے ' کچھ ناگزیر وجوہات کی وجہ سے رسالہ پریس میں کافی تاخیر کا شکار ہو گیا تھا' جس کے بعد ماہ نامہ فہم دین نے تین شمارے ایڈوانس تیار کر کے پریس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا ہے ' تاکہ دوبارہ اس قسم کی انہونی سے بچا جاسکے ' جس کی وجہ سے آپ کے ارسال کردہ جوابات ایک شمارے کے بعد شائع کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں رہا' چناں چہ آئندہ سے ترتیب یہ ہوگی کہ کسی بھی شمارے میں ذکر کردہ سوالات کے جوابات تین شمارے چھوڑ کے چوتھے شمارے میں شائع کیے جائیں گے ' جیسے یہ جنوری کا شمارہ ہے تو اس کے درست جوابات مئی کے شمارے میں شائع کیے جائیں گے مگر یہ وضاحت بھی کرتا چلوں کہ جوابات ارسال کرنے کی آخری تاریخ اسی ماہ کی بیس تاریخ ہوگی' جیسے جنوری کے شمارے کے جوابات ارسال کرنے کی آخری تاریخ صرف بیس جنوری ہوگی۔ اس کے بعد ارسال کردہ جوابات مقابلے میں شامل نہیں سمجھیں جائیں گے ' بلکہ پھر میگزین کے پریس چلے جانے کی وجہ سے ہم شامل کر بھی نہیں سکیں گے۔

PERVAIZ UMAR ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi
1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore
19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

میرے وطن کے اداس لوگو!!

مرسلہ: اہلیہ فصیح اللہ

میرے وطن کے اداس لوگو!!
نہ خود کو اتنا حقیر سمجھو!
کہ کوئی تم سے حساب مانگے
خواہشوں کی کتاب مانگے

نہ خود کو اتنا قلیل سمجھو
کہ کوئی اٹھ کر کہے یہ تم سے
وفائیں اپنی ہمیں لٹا دو
وطن کو اپنے ہمیں تھما دو

اٹھو! اور اٹھ کر بتا دو ان کو
کہ ہم ہیں اہلِ ایمان سارے
نہ ہم میں کوئی صنم کدہ ہے
ہمارے دل میں تو اک خدا ہے!

میرے وطن کے اداس لوگو!
جھکے سروں کو اٹھا کے دیکھو
قدم تو آگے بڑھا کے دیکھو!

ہے ایک طاقت تمہارے سر پر
کرے گی سایہ، جو اُن سروں پر
قدم قدم پر جو ساتھ دے گی
اگر گرے تو سنبھال لے گی!

میرے وطن کے اداس لوگو!

اٹھو! چلو اور وطن سنبھالو!

تمہیں کیا

شاعر: قابل اجمیری

تم اطلس و کم خواب کے پردوں میں چھپے ہو
ملت ہے اگر چاکِ گریباں تو تمہیں کیا
ہوتے ہیں طربناک شب و روز تمہارے
مزدور ہے صیدِ غمِ دوراں تو تمہیں کیا
تم شام و سحر بادۂ گل رنگ سے کھیلو
مرتا ہے اگر بھوک سے دہقاں تو تمہیں کیا
اپنے در و دیوار بہاروں سے سجالو
تاریک ہے انجامِ گلستاں تو تمہیں کیا
اونچی ہیں بہت قصرِ امارت کی فصیلیں
ہر سمت حوادث ہیں خراماں تو تمہیں کیا
رہ جائے نہ اندازِ تشدد کوئی باقی
ہوتا ہے وطن گورِ غریباں تو تمہیں کیا
قائم ہے ابھی گرمیٔ بازارِ سیاست
برباد ہوئی دولتِ ایماں تو تمہیں کیا
تم کو ہوسِ جاہ سے فرصت ہی کہاں ہے
خطرے میں ہے ناموسِ مسلماں تو تمہیں کیا
تم بحر کے مالک ہو کنارے ہیں تمہارے
کشتی کو ہے اندیشۂ طوفاں تو تمہیں کیا

گلدستہ

حمدِ باری تعالیٰ

تیرے در پہ سر کو جھکا چاہتا ہوں
یہیں پہ میں خود کو مٹا چاہتا ہوں
کنارہ کشی کر کے عالم سے سارے
تعلق ترا اے خدا! چاہتا ہوں
دلِ مضطرب تجھ سے یہ کہہ رہا ہے
کہ تجھ کو میں خود میں بسا چاہتا ہوں
ترا نام ہر دَم زباں پہ ہو میری
یہی بس میں وقتِ فنا چاہتا ہوں
کوئی دُکھ نہیں، گرچہ عالم خفا ہو
تری ہی رضا اے خدا چاہتا ہوں
اکھاڑے گناہوں کو جو جڑ سے یارب
وہ طوفانِ آنسو بہا چاہتا ہوں
معلق ہو تجھ سے یہ دِل میرا ہر دَم
نہ کچھ بھی میں تیرے سوا چاہتا ہوں
فرشتے بھی حیرت سے تکتے رہیں
فنا تجھ پہ ایسا ہوا چاہتا ہوں
گزر جائیں راتیں عبادت میں تیری
ترے ذکر میں وہ مزہ چاہتا ہوں
نہ سوچیں یہ افکار تیرے سوا کچھ
میں غرق ایسا تجھ میں ہوا چاہتا ہوں
تُو آجا خدایا! کہ اب تُو تُو آجا
میں اب صرف تیرا ہوا چاہتا ہوں
بنا لے تُو اپنا، پھر اپنا ہی رکھنا
نہ ہونا میں احمدؔ جدا چاہتا ہوں

شاعر: احمد ظہور، متعلم درجہ اولیٰ
جامعہ بیت السلام کراچی

نعت شریف

عشقِ نبویؐ دردِ معاصی کی دوا ہے
ظلمت کدۂ دہر میں وہ شمعِ ہدیٰ ہے
پڑھتا ہے درود آپ ہی تجھ پہ ترا خالق
تصویر پہ خود اپنی مصور بھی فدا ہے
بندے کی محبت سے ہے آقا کی محبت
جو پیروِ احمدؐ ہے وہ محبوبِ خدا ہے

شاعر: سید سلیمان ندویؒ

احساس کمتری سے خود اعتمادی کی طرف

ہمارے ارد گرد بہت سے لوگ احساس کمتری میں مبتلا رہتے ہیں' جب کہ کچھ لوگ خود اعتماد ہوتے ہیں۔ جو لوگ خود اعتماد ہوتے ہیں ان کے لیے کافی کچھ ایزی ہوتا ہے اور جو لوگ احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں انہیں کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے' یہ لوگ دوسروں پر انحصار کر رہے ہوتے ہیں۔ اکثر ہمارے معاشرے کے خود اعتماد لوگ ہی اپنی باتوں سے لوگوں کو یہ احساس کمتری دلاتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ ایک مشہور کہاوت ہے کہ اگر کسی قوم کو ختم کرنا ہو تو اس کو احساس کمتری میں مبتلا کر دو۔

ہمیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہماری ان باتوں سے بچے یا بڑے احساس کمتری میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ ان کے دل میں یہ ڈر جگہ کرتا ہے کہ ہم سے نہیں ہوگا اور وہ اگر کچھ صحیح بھی کر رہے ہوتے ہیں تو انہیں بس یہی لگ رہا ہوتا ہے کہ وہ غلط کر رہے ہیں اور کوئی نہ کوئی ضرور انہیں ڈانٹے گا۔ بس پھر یہی ڈر ان کے دل میں بیٹھ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

احساس کمتری اور خود اعتمادی بچپن ہی سے شروع ہوتی ہے۔ والدین کو بچوں پر اور بچوں کو خود پر اعتماد نہیں ہوگا تو احساس کمتری میں مبتلا ہوں گے بچے بھی اور والدین بھی۔ ہمیں اپنے ارد گرد کے لوگوں کو خاص کر اپنے گھر کے بچوں کو احساس کمتری سے نکال کر خود اعتمادی کی طرف لانا چاہیے۔ ہم اکثر اپنے ارد گرد کے لوگوں کے ساتھ منفی جملے استعمال کرتے ہیں جو احساس کمتری کی سب سے بڑی وجہ بنتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم مثبت جملے استعمال کریں۔ ایسے جملے جو انہیں پر جوش کریں کریں۔ ایسے جملے جو انہیں اندر سے یہ احساس دلائیں کہ وہ قابلیت رکھتے ہیں ہر وہ کام کرنے کی جو کوئی دوسرا انسان کر سکتا ہے۔ بس ان کے اندر سے احساس کمتری نکال کر ان کے اندر خود اعتمادی ڈالنے کی ضرورت ہے' پھر وہ ہر کام خود اعتمادی کے ساتھ کریں گے۔ بس ہمیں انہیں احساس کمتری سے نکالنے کے لیے اپنے کچھ لفظوں کو بدلنا ہوگا۔ ہم اکثر کہتے ہیں تم نہیں کر سکتے' جب کے ہمیں کہنا چاہیے کہ تم کر سکتے ہو۔ تم بن سکتے ہو۔ تم کر لوگے اور تم سے ہی ہوگا۔ انہیں یہ احساس دلانا چاہیے کہ وہ بھی پاور فل ہیں۔

خود اعتمادی سے ہماری شخصیت میں نکھار آتا ہے اور ہم ہر کام کو اعتماد کے ساتھ کرتے ہیں'

جس کی وجہ سے ہم کو ہماری قوم کو اور ہمارے ملک کو مسلسل کامیابی ملتی ہے اور سب سے بڑھ کر امت مسلمہ کو کامیابی ملتی ہیں۔ اے اللہ مجھے وہ طاقت نہ دے جس سے میں دوسروں کو کمزور کروں! مجھے وہ دولت نہ دے جس کی خاطر میں دوسروں کو غریب سمجھوں! مجھے وہ علم نہ دے کے مجھے اپنے سوا کچھ نظر نہ آئے!

مرسلہ: ثنا مشتاق نیازی' کراچی

وقت کی قدر و قیمت

کہتے ہیں وقت سمندر میں گر کر کھوئے ہوئے اس قیمتی و نایاب موتی کی مانند ہے جس کا دوبارہ ملنا ناممکن ہو۔ وقت جو ہر گزرتے لمحے کے ساتھ گزر رہا ہے اس بہتے ہوئے سیلاب کے آگے نہ کوئی بند باندھا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کو تھام سکتا ہے۔

زندگی کا ایک ایک سانس خدائی خزانہ ہے اس کی قدر کرنی چاہیے کہ کہیں بغیر فائدہ کہ نہ گزرے لوگ صرف روپے پیسے کو ہی دولت سمجھتے ہیں' حالاں کہ اصل میں روپے پیسے سے زیادہ وقت ہی دولت کہلائے جانے کا زیادہ مستحق ہے کہ لٹا ہوا مال و زر دوبارہ مل سکتا ہے نیلام شدہ کھربوں کی جائداد دوبارہ ہتھیائی یا اپنائی جا سکتی ہے' گنوایا ہوا منصب و عہدہ بھی دوبارہ ہاتھ آ سکتا ہے' ایک عرصہ گزرنے پر کھوئی ہوئی عزت کا بحال ہونا بھی ممکن ہے' لیکن گزرا ہوا ایک سیکنڈ دنیا کے سارے خزانے خرچ کر کے واپس نہیں لوٹایا جا سکتا۔

وہ لوگ بڑے بھاگوان اور صاحب نصیب ہوتے ہیں' جو اس مٹ جانے والی زندگی کو کار آمد بنانے کے لیے بہترین اوقات اور عمدہ موقعوں کو غنیمت سمجھ کر سعادتیں اور کمال حاصل کرنے کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں۔ جو وقت کی قدر کرتا ہے' زمانہ اس کی قدر کرتا ہے۔ وقت کی پابندی ہر انسان کے لیے بے حد ضروری ہے وہ ملک' وہ قوم ہر حالت میں ترقی کرتا ہے' جس کے رہنے والے لوگ' کام کرنے والے لوگ وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اپنے کاموں کو مقرر کردہ وقت پر کرنا ہی وقت کی پابندی کا آسان مطلب ہے۔

جہاں نظام کائنات کی ہر شے میں وقت کی پابندی دیکھنے کو ملتی ہے وہیں اللہ تعالیٰ کے تقریباً سارے حکموں میں وقت کی پابندی لازمی حصہ بنی رہتی ہے نماز پابندی وقت کا درس دیتی ہے روزہ بھی وقت کا پابند بناتا ہے وقت پر سحری کھانا پڑتی ہے وقت پر افطاری کرنا پڑتی ہے حج؛ زکوۃ؛ جہاد ہر عمل میں وقت کی پابندی کا درس موجود ملتا ہے بطور مسلماں ہمیں اپنے اوقات کو صحیح اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر استعمال کر کے دنیا و آخرت میں سرخ روئی کی جدوجہد کرنی ہے۔ ایک ایک سانس ایک ایک لمحہ کی قدر کرنی چاہئے۔ ایک ایک لمحے کا حساب کریں کہ کہاں صرف ہو رہا ہے کہ کہیں بنا فائدے کے نہ گزرے اور اس کوشش میں رہیں کہ آپ کا وقت کسی مفید کام میں گذر رہا ہو تا کہ آگے چل کر وہ کچھ پا سکیں' جو آپ کے لیے خوشی کا باعث ہو اور کل قیامت میں زندگی کا دفینہ خالی پا کر ندامت کے آنسو بہانے سے بچ سکیں۔

(مرسلہ: عاصم راجپوت' تلہ گنگ)

مسنون دعاؤں کی اثر انگیزی

مولانا محمد منظور نعمانیؒ معارف الحدیث میں مسنون دعاؤں کی فضیلت و اہمیت سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس عاجز راقم سطور کا یہ دستور ہے کہ جب کبھی پڑھے لکھے سمجھدار غیر مسلموں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا تعارف کرانے کا موقع ملتا ہے تو آپ ﷺ کی کچھ دعائیں ان کو ضرور سناتا ہوں، قریب قریب سو فی صدی تجربہ ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ آپ ﷺ کی دعاؤں سے متاثر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کے کمالِ خدارسی و خدا شناسی میں ان کو شبہ نہیں رہتا۔''

(معارف الحدیث ج:5، ص:19)

آپ کے اشعار

اک زندگی عمل کے لیے بھی ہو نصیب
یہ زندگی تو نیک ارادوں میں کٹ گئی
شاعر: جلیل قدوائی

جستجو زندگی کا حاصل ہے
اٹھ گیا جو قدم، وہ منزل ہے
شاعر: مجنون گورکھپوری

گُلوں سے اتنی بھی وابستگی نہیں اچھی
رہے خیال کہ عہدِ خزاں بھی آتا ہے
شاعر: حبیب احمد صدیقی

سر جھکانے سے کچھ نہیں ہوگا
اٹھ کے قاتل سے چھین لو تلوار
شاعر: صبا اکبر آبادی

ہر بات میں ہم دیتے ہیں غیروں کا حوالہ
اپنا کوئی آہنگ، کوئی رنگ نہیں کیا؟
شاعر: باقی صدیقی

حیات لے کے چلو، کائنات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو
شاعر: مخدوم محی الدین

ہم کو شاہوں سے عدالت کی توقع تو نہیں
آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں
شاعر: عبدالحمید عدم

روبوٹکس مقابلے

جامعہ بیت السلام تلہ گنگ کے طلبہ کی پہلی پوزیشن

رپورٹ: محمد عکاشہ نیازی

نیکولین ٹیلانے کہا تھا کہ اکیسویں صدی عیسوی میں ربوٹکس ہم پر ایسے ہی حاوی ہو جائیں گے ' جیسے قدیم تہذیبوں میں غلامانہ مزدوری۔ ٹیلانے یہ بات کہہ دی اور لوگوں نے سُن لی۔ بیسویں صدی کے وسط میں 1950ء کے آس پاس دُنیا کا پہلا ربورٹ وجود میں آیا تھا۔ ربوٹ کے موجد نے اس کا استعمال پہلے پہل گھریلو مقاصد کے لیے کیا' کسی چیز کو اٹھانے میں یا تار پر کپڑے لٹکانے میں اور بس ' مگر پھر وہاسے اس دُنیا کے سامنے لے آیا اور پھر ایک دوڑ شروع ہو گئی۔۔۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی دوڑ۔۔۔ اس دوڑ نے ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ممالک کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کے لیے بھی ربوٹس کی ایجاد اب کوئی نئی بات نہیں رہی ' جہاں اب Lego جیسے بنیادی ربوٹس سے لے کر آرڈینو تک اور اب آرٹیفیشل انٹیلی جنس والے ربوٹس بنائے جا رہے ہیں۔ اب ان ایجادات کو پرکھنے ' جانچنے ' سنوارنے اور نکھارنے کے لیے کئی سرکاری اور غیر سرکاری ادارے مختلف ایونٹس کا جا بجا انعقاد کرتے رہتے ہیں ' تاکہ تجربہ رہے۔ ذیل میں ایسے ہی ایک تجربے کی روداد کا ذکر ہے۔

14 نومبر 2019ء ہائی ٹیک یونی ورسٹی ٹیکسلا سے ایک ٹیم جامعہ بیت السلام تلہ گنگ کے دورے پر آئی۔ اس کا مقصد بیت السلام کے طلبہ کو ایک روبوٹکس مقابلے کے لیے مدعو کرنا تھا ' جو تین ہفتے بعد منعقد ہونے والا تھا۔ ادارے کی جانب سے طلبہ کی شمولیت کا ہامی بھر لی گئی۔ مقررہ تاریخ کو 22 طلبہ اور 2 معزز اساتذہ ہائی ٹیک یونی ورسٹی ٹیکسلا روانہ ہوئے وہاں پہنچنے پر پتا چلا کہ اس مقابلے میں ملک بھر کی متعدد مشہور یونی ورسٹیاں شرکت کریں گی یہ بات حیرت کا سبب بھی تھی اور پریشانی کا بھی۔ رات کھانے کے بعد نمازِ عشا ادا کی اور اس کے بعد جامعہ بیت السلام تلہ گنگ کے استاذِ مکرم جناب ذیشان نے اپنے طلبہ کو اکٹھا کیا اور گویا ہوئے: آپ لوگوں کے یہاں آنے کا واحد مقصد ایک اسلامی ادارے کی ترجمانی ہے ' اس لیے آپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ اپنے اخلاق کے ذریعے لوگوں کے دِل جیتیں۔ مقابلے میں باقی ہار جیت تو زندگی کا حصہ ہے۔ ہم ہار گئے تو پھر بھی کوئی بات نہیں ' لیکن اگر ہم نے لوگوں کے دِل جیت لیے تو سمجھ لینا کہ پھر ہم حقیقت میں جیت گئے ' اس لیے احساس کمتری کا تصور بھی نہ کریں۔

اگلے دِن یعنی منگل تین دسمبر کو صبح آٹھ بجے افتتاحی تقریب منعقد ہوئی یہ تقریب نصرت آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی۔ اس دن طلبہ نے تین مقابلوں میں شرکت کی اگلا دن مقابلے کا آخری دِن تھا اور شام کو اختتامی تقریب منعقد ہوئی ' جس میں انعام یافتہ شرکا کو شیلڈ ' نقد انعام اور سند سے نوازا گیا۔ بیت السلام کے طلبہ نے دو مقابلوں میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ ایک پراپلر کار (Propeller car) اور دوسرے پاٹ دی بال (Pot the Ball) میں۔ پوزیشن حاصل کرنے والے ایک گروپ کے لیڈر فرحان تھے اور دوسرے گروپ کے لیڈر عمر فاروق تھے۔ یاد رہے یہ مقابلے یونی ورسٹی سطح کے تھے اور ملک کی 20 یونی ورسٹیوں کے طلبہ مقابلے میں حصہ لے رہے تھے ' جامعہ بیت السلام کے طلبہ کی عمر 13 سے 16 سال تک کی تھیں۔

جب بیت السلام کے طلبہ اپنا انعام وصول کرنے کے لیے اٹھے تو لوگوں نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا۔ نامور یونی ورسٹیوں کے بیچوں بیچ ایک مدرسے کے طلبہ کا یہ مقابلہ جیت لینا یقیناً اللہ کا فضل تھا۔

آڈیٹوریم سے باہر نکلتے وقت طلبہ بہت خوش تھے۔ اس موقع پر ایک نوجوان نے بیت السلام کے اساتذہ اور طلبہ سے پُر جوش انداز میں ہاتھ ملایا اور کہنے لگا: کچھ لوگ مدرسوں کے بارے میں غلط افواہ پھیلاتے ہیں ' مگر اب وقت ہے کہ انھیں دِکھایا جائے کہ مدارس کیا کیا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

Brighto™

Inspired by Nature

Brighto AllColor

Décor assumes a different meaning with Brighto Special Coatings. They give your living space a prestigious decorative finish by creating a world of beauty, luxury and sophistication.

Regd.# MC - 1366

brighto.paints | Toll Free 08000-1973 | BrightoPaintsPK | www.brightopaints.com

Brighto™ PAINTS